# فہرست مطالب

## اردو مقالات


لاہور عجائب گھر کے مخطوطاتِ کشف المحجوب/ ڈاکٹر معین نظامی ۵

پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ ایک نادر عربی مخطوطہ/ ڈاکٹر محمد سرفراز خالد ۱۱

مسلم معاشرے میں ترجیحاتِ نکاح (قرآن وسنت کی روشنی میں)/ صباحت رمضان سیالوی ۲۹

بابائے پنجابی کے ادبی سفر/ محمد جنید اکرم ۴۳

کشمیر......تہذیبی وثقافتی پس منظر/ ڈاکٹر سردار اصغر اقبال ۵۳

حضرت سلطان باہوؒ اور تکذیبِ حُبِ دنیا/ سید عنصر اظہر ۵۹


## فارسی مقالات


متناقض نمایی در خمسۂ امیر خسرو / دکتر محمد ناصر، نواز احمد ۷۱

معرفی و تصحیح مثنوی "پیر رومی"/ هما گل، دکتر محمد صابر ۸۵


## پنجابی مقالہ


شاہ حسین دی صوفیانہ شاعری تے پنجاب/ ڈاکٹر ناہید شاہد ۹۷


## عربی مقالہ


شعر الرثاء لأهل البيت / الدکتور محمد سلیم اسماعیل، محمد عباس ۱۰۵

Majallah Tahqiq
Research Journal of
the Faculty of Oriental Learning
Vol: 35, Sr.No.94, 2014, pp 05 - 10

مجلّہ تحقیق
مجلّہ کلیہ علوم شرقیہ
جلد ۳۵، جنوری۔ مارچ ۲۰۱۴ء، شمارہ ۹۴

# لاہور عجائب گھر کے مخطوطاتِ کشف المحجوب

ڈاکٹر معین نظامی☆

**Abstract:**
The Kashf al-Mahjub by Sayyid Ali Hujveri is a world wide known, matchless old Persian Text on Sufism and a lot of research has been produced on Hujveri and his unique text all over the world. About 160 manuscripts of the book are on record and certainly some uncategelogied manuscripts are also being preserved in different collections.
This article introduces three important manuscripts of the kash al- Mahjub of the Lahore Museum, Pakistan.
**Key words:**Kashf al- mahjub, Hujveri, Manuscripts of kashf-al-Mahjub, the Lahore museum.

کشف المحجوب حضرت سیّد علی ہجویری (م:۴۶۵ھ) کی بے مثال فارسی تصنیف ہے جو تصوّف وعرفان کے موضوع پر، بجا طور پر، دائرۃ المعارفی اہمیت کی حامل ہے۔ دنیا کے مختلف ممالک کے ثقہ محققین اور دانشوروں نے مختلف زبانوں میں اس کی تدوینِ متن، متن کے ترجمہ وتوضیح، اس کے مطالب وافکار اور اس کے مؤلّف کے احوال وآثار کو موضوعِ تحقیق بنایا ہے جس کی بنا پر عرفانِ اسلامی کی گراں قدر تاریخ میں ہجویری شناسی کو ایک زرخیز میدانِ تحقیق کی حیثیت حاصل ہو چکی ہے۔ اسلامی ممالک خصوصاً پاکستان میں ہجویری شناسی کی اہمیت روز افزوں ہے اور اس ضمن میں سلسلۂ تحقیق وتصنیف جاری ہے۔

---

☆ صدر، شعبہ فارسی، پنجاب یونیورسٹی لاہور

مختلف دست یاب منابع کی روشنی میں کشف المحجوب کے ایک سو ساٹھ کے لگ بھگ قلمی نسخوں کا سراغ ملتا ہے۔انھی میں سے قدیم ترین اور مختلف جہات سے اہم ترین مخطوطات کو سامنے رکھ کر متعدد اہلِ علم نے اس کی تدوینِ متن کی ہے۔ کشف المحجوب کی صدیوں پر پھیلی ہوئی مقبولیت کے پیشِ نظر اس کے معلومہ مخطوطات کی تعداد نسبتاً کم اور یہ مشکل محض اطمینان بخش ہے ۔مختلف اداروں اور نجی ذخیروں میں ابھی اس کے کئی اور ایسے نسخے یقیناً موجود ہوں گے جن کی تا حال فہرست سازی نہیں ہوئی اور علمی دنیا ان کے تعارف وکوائف سے محروم چلی آتی ہے۔

کشف المحجوب کے ایسے ہی تین مخطوطات لاہور عجائب گھر ، لاہور کے ذخیرۂ مخطوطات میں محفوظ ہیں جنھیں زیرِ نظر مضمون میں پہلی بار متعارف کروایا جا رہا ہے:

۱۔ پہلا نسخہ، بہ شمارۂ: ف ۹۰۸، ۲۶۷ اوراق، ہر صفحے پر اٹھارہ سطریں ہیں۔کتابت پختہ نستعلیق میں کی گئی ہے۔ترقیمے میں تاریخ کتابت ۲۶۔رمضان ۱۲۰۳ھ، دوشنبہ لکھی گئی ہے۔کاتب نے اپنا نام تحریر نہیں کیا۔قرائن سے لگتا ہے کہ کتابت لاہور ہی میں عمل میں آئی ہے۔ یہ نسخہ انبالہ بک بائنڈرز، شیش محل روڈ، لاہور سے خریدا گیا ہے۔

یہ ایک متاخّر نسخہ ہے مگر اس کے کچھ ذیلی فوائد بھی ہیں۔مثلاً:

i۔ اس کا ظہریّہ اہم ہے جس پر کتاب اور مصنّف کا مختصر تعارف تحریر کیا گیا ہے اور کچھ تملیکی یادداشتیں بھی ہیں۔ظہریّے کی تعارفی عبارت یہ ہے:

> این کتاب کشف المحجوب لارباب القلوب تصنیفِ جناب قدوۃالاولیا، زبدۃ الاتقیا، شاہِ دوجھان، حبیب الرحمان جناب حضرت شیخ المشائخ، مرشدنا و مولانا غوث الاعظم الشیخ ابوالحسن علی بن عثمان بن علی الجلاّبی الغزنوی الھجویری ، رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عن آبائہٖ و اجدادہ ، مزیّن است، مدفن ایشان در لاھور، سال تاریخ وفات ایشان کلمۂ **سردار** است (٤٦٥ھ).

نام کتاب کے حوالے سے اب اجماعِ محققین ہو چکا ہے کہ یہ محض کشف المحجوب ہے اور لارباب القلوب اس کا جزو نہیں ہے۔

اسی صفحے پر مالکِ کتاب نے اپنے کچھ فرزندوں کی تواریخ ولادت بہ طورِ یادداشت عربی میں قلم بند کی ہیں جس سے ان کے اہل علم ہونے کو تقویت ملتی ہے۔ ایسی پہلی یادداشت عبداللہ، ۱۲۰۳ھ کی ہے جو نسخے کا سالِ کتابت بھی ہے۔ عین ممکن ہے کاتب اور مالک ایک ہی شخصیت ہوں ۔افرادِ خاندان نے بعد میں بھی کئی لوگوں کی تواریخ ولادت اس صفحے پر درج کی ہیں۔ آخری اندراج ۱۳۱۸ھ کا ہے۔ قیاس ہے کہ ۱۳۱۸ھ کے بعد جلد ہی یہ نسخہ اس خاندان کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔

ii۔ متن کے پہلے صفحے پر حاشیے کی کچھ عبارتیں لکھی گئی ہیں اور ان کے آخر میں بہ صراحت ''مولانا عبدالغفور لاری'' لکھا گیا ہے۔ پہلی بات تو یہ طے ہے کہ ''لاری'' کی نسبت درست نہیں ہے۔ مذکورہ حاشیہ عبدالغفور نامی کسی قادری بزرگ کی تصنیف ہے۔ دوسرا یہ کہ غالباً حاشیہء عبدالغفور کا کوئی نسخہ کاتب کی دسترس میں تھا اور وہ حواشیِ متن پر اس کی کتابت بھی کرنا چاہتا تھا لیکن بہ وجوہ اسے پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچا سکا۔ یہ بھی قابلِ قیاس ہے کہ کاتب کو پورا حاشیۂ عبدالغفور میسّر نہ ہوا اور اس کے منقول عنہ نسخے میں اس قدر عبارات ہی درج ہوں اور اس نے انھی عبارات کو بعینہٖ نقل کر دیا ہو۔ یہ عبارات بلاشبہ حاشیۂ عبدالغفور ہی کی ہیں اور پورے نسخے میں دو تین اور صفحات پر بھی موجود ہیں۔

iii۔ اختتامِ متن کے بعد آخری صفحے پر حضرت سیّد علی ہجویری کی مدح میں ایک فارسی منقبت کے اٹھارہ اشعار نقل کیے گئے ہیں۔ کاتب لکھتا ہے:

مناجات از مصنّفاتِ مربیّ و مولاءِ راقم این سطور
به جنابِ مقدس علی بن عثمان الجلاّبی الشهیر به
داتا گنج بخش صاحب، و مقبرهٔ ایشان به لاهور است

دو جهان زیرِنگینِ مُهر نامِ گنج بخش
جنّ و انس [انسان] و ملك منقاد و رامِ گنج بخش

سیّد السادات و نورِ مصطفی و مرتضیٰ

گردشِ چرخ برین باشد به کامِ گنج بخش---

و ازدل و جانم غلام شاهِ میران محیيِ دین

نیز از فضلِ خدا هستم غلامِ گنج بخش

یہاں کاتب نے لکھا ہے:

اشارة فرمودند به اسمِ شریفِ ذاتِ سامی خویش،چه

اسمِ شریفِ حضرت ایشان غلام محیی الدین است

اظلّ الله ظلهٗ علی الطّالبین

گویا یہ کلام شیخ غلام محیی الدین قادری لاہوری کا ہے جو تحریر کے وقت زندہ ہیں اور کاتب ان کا مرید ہے۔ اشعار کا کاتب وہی لگتا ہے جس نے متن کی کتابت کی ہے۔

اسی صفحے کے حاشیے پر تاریخ وفاتِ شیر علی خان: **الٰہا بہ بخشیش آمدندا**، اور تاریخ قتل شدنِ ہری سنگ پلید: **دوزخی خوک** بھی ہے۔

۲۔ دوسرا نسخہ، بہ شمارۂ: ف ۱۱۹۶، ۲۵۲ اوراق، ہر صفحے پر انیّس سطریں ہیں۔ بہت عمدہ نستعلیق ہے۔ عربی عبارات نسخ میں ہیں۔ عربی عبارات اور عنوانات سرخ روشنائی میں ہیں۔ کاتب کا نام محمد بقا ہے اور تاریخ کتابت محرم ۱۰۹۴ھ یا بہ گمانِ غالب ۱۱۹۴ھ ہے۔ ترقیمہ موجود ہے مگر کئی الفاظ کھرچ دیے گئے ہیں:

حسب الفرمودۂ [؟] شجاعت و رفعت مآب [نام مٹا دیا گیا ہے]۔

ان القاب اور نسخے کے فنّی معیار کی روشنی میں قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یہ مخطوطہ کسی اہم سیاسی و سماجی شخصیت کی فرمائش پر اس کے لیے تحریر کیا گیا ہے۔ لاہور عجائب گھر نے اسے ۲۴۔ اپریل ۱۹۸۹ء کو خریدا ہے۔

۳۔ تیسرا نسخہ، بہ شمارۂ: ف ۱۳۱۲، چھوٹے طول و عرض کا حمائل نما یہ مخطوطہ ۴۴۳ اوراق پر مشتمل ہے۔ ہر صفحے پر پندرہ سطریں ہیں۔ خط نستعلیق مائل بہ شکستہ ہے۔ عنوانات اکثر سرخ اور بعض

مقامات پر سنہری ہیں۔ ترقیمہ آب دیدہ ہونے کی وجہ سے خوانا نہیں اور یہ آب دیدگی طبعی نہیں لگتی البتہ اس میں صاحبِ کشف المحجوب کا سالِ وفات ۴۶۵ھ واضح پڑھا جاتا ہے۔ کتابت گیارہویں صدی ہجری کے نصفِ اوّل کی معلوم ہوتی ہے۔ کہیں کہیں حواشی پر مختصر توضیحات درج کی ہیں۔ ایسے چند اندراجات میں ارشاد المریدین اور لطائف اللّغات وغیرہ کا حوالہ ملتا ہے۔ حواشی پر بعض جگہوں پر نسخہ بدل بھی لکھے گئے ہیں۔ کاتب ہی نے کتابت پر نظرِ ثانی بھی کی ہے اور کچھ مقامات پر، رہ جانے والی عبارات حواشی میں لکھی ہیں۔

ظہریے پر ایک بڑی اور چار چھوٹی مُہریں ہیں۔ چھوٹی مہریں کافی حد تک مٹائی جا چکی ہیں بڑی مہر بیضوی ہے اور اس میں ''...معدمرید جہانگیر شاہ'' پڑھا جا رہا ہے۔ گویا نسخہ جہانگیر بادشاہ کے کسی امیر کی ملکیت میں رہا ہے۔

لاہور عجائب گھر نے یہ نسخہ ۱۸۔ فروری ۱۹۹۳ء کو خریدا ہے۔

لاہور عجائب گھر کے ذخیرۂ مخطوطات میں ایک لمبا طوماری ورق بہ شمارۂ :239 .MSS موجود ہے جس کا عنوان دفتری فہرست میں در حالات ابوالحسن علی هجویری درج ہے حال آں کہ بنیادی طور پر یہ ورق لاہور کے زنجانی مشائخ کے بارے میں ہے۔ اس کے مصنف اور کاتب نامعلوم ہیں۔ اس میں ایک مقام پر ضمناً حضرت سیّد علی ہجویری کا ذکر بھی آیا ہے جسے یہاں بہ اختصار نقل کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا:

> نقل از کتاب **فاتحة الولایت** من تصنیفِ ... ابو الحسن بن شیخ علی بن عثمان الجلّابی الهجویری که فیض وی اوّلاً بی واسطه بود... بعضی محققان بر آن اند که قبرِ صاحبِ **کشف المحجوب** در غزنین است. و شیخ علی که قبرِ وی در لاهور است، نیز از اعزّهٔ مشایخِ کبار است و مصاحب ... فخرالدین حسین زنجانی است...

حضرت سیّد علی ہجویری کی شخصیت، تصانیف، ورودِ لاہور اور مدفن کے بارے میں عمداً پھیلائی جانے والی غلط فہمیوں کی تاریخ بھی کافی پرانی ہے اور بیشتر غلط فہمیوں کا کھوج لگایا جائے تو

ایک ہی سرچشمہ معلوم ہو جاتا ہے۔ ان غلط فہمیوں کو درست جانتے ہوئے بعض معاصرین نے بھی کچھ موضوعات پر بہ زعم خویش دادِ تحقیق دی ہے اور علم و تحقیق میں رسوخ رکھنے والے کئی محققین نے ان کا تعاقب بھی کیا ہے۔ پورے یقین سے کہنا چاہیے کہ طوماری ورق میں بیان کی جانے والی معلومات تحقیقی حلقوں میں مکمل طور پر مردود قرار پا چکی ہیں اور کافی حد تک ان اسباب و علل کا تعیّن بھی ہو چکا ہے جن کی بنا پر افواہ سازی کا یہ مذموم عمل جاری رہا ہے۔

☆☆☆☆

کتابیات:


- ہجویری، علی بن عثمان، کشف المحجوب، مخطوطہ: ف ۹۰۸، ذخیرۂ مخطوطات لاہور عجائب گھر۔
- ہجویری، علی بن عثمان، کشف المحجوب، مخطوطہ: ف ۱۱۹۶، ذخیرۂ مخطوطات لاہور عجائب گھر۔
- ہجویری، علی بن عثمان، کشف المحجوب، مخطوطہ: ف ۱۳۱۲، ذخیرۂ مخطوطات لاہور عجائب گھر۔
- ؟، [در حالاتِ ابو الحسن علی هجویری]، Mss.239، ذخیرۂ مخطوطات لاہور عجائب گھر۔

Majallah Tahqiq
Research Journal of
the Faculty of Oriental Learning
Vol: 35, Sr.No.94, 2014, pp 11 - 28

مجلّہ تحقیق
مجلّہ کلیہ علوم شرقیہ
جلد ۳۵، جنوری - مارچ ۲۰۱۴ء، شمارہ ۹۴

# پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ ایک نادر عربی مخطوط

ڈاکٹر محمد سرفراز خالد☆

**Abstract:**

The Punjab Univrsity's Library is one of the richest libraries in Pakistan. Besides books on all disciplines in various languages of the world, the library has thousands of manuscripts in Arabic, Persian and Urdu. The article introduces a manuscript of an Indian scholar Mufti Abdus Salam Diwi on Islamic jurisprudence entitled *"al-Insharat al-Ma'aliyah"* which is a commentary of 'Abdullah b. Ahmad Nasfi's book "Manar al-Anwar". Mufti Diwi's work has hitherto not published and its two manuscripts are present, one in the Main Library of University of the Punjab Lahore and the other in Bankipur Library (India). This work is an encyclopaedia of Fiqh and is based on four juristic schools. Being a Hanafite, the scholar has established the superiority of his own school. The manuscript manifests commentator's lexicographical knowledge, intelligence, reasoning, memory and in-depth study of jurists literature of Islam.

تاریخ اسلام کے مطالعہ سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ مسلمانان عالم نے ہر دور میں درس وتدریس کے میدان میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ نیز ہر شعبہ زندگی کے ماہرین مثلاً مفسرین، محدثین، فقہاء اور سائنسدانوں نے ایسی نادر کتب مرتب کیں جو علوم وفنون کے خزانوں سے بھری پڑی ہیں۔ بے شمار کتب خانوں کی تباہی و بربادی کے باوجود لاکھوں قلمی نسخے اور مخطوط آج بھی بہت سی لائبریریوں اور کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔

---

☆ اسسٹنٹ پروفیسر (شعبہ عربی وعلوم اسلامیہ) گورنمنٹ کالج، یونیورسٹی، لاہور

پنجاب یونیورسٹی لاہور کی لائبریری کا شمار بھی ان لائبریریوں میں ہوتا ہے جہاں ہزاروں نادر اور نایاب کتابوں اور قلمی نسخوں کا ذخیرہ محفوظ و مامون ہے۔ ان میں ایک نسخہ مفتی عبدالسلام دیوی کا مرتب کردہ ''**الا نشرحات المعالیه**'' ہے جو علم ''اصول فقہ'' کا بے نظیر نمونہ ہے اور تا حال منتظر اشاعت ہے۔ پیش نظر اس مخطوط کے تعارف سے قبل علم اصول فقہ کو قرآن وسنت کی روشنی میں متعارف کروانے کی کوشش کی جاتی ہے تا کہ اس مخطوط کی اہمیت کا بخوبی اندازہ ہو سکے۔

یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ دین متین کی اساس میں علم اصول فقہ، کتاب و سنت سے علوم شرعیہ کے استنباط کے لیے اہم حیثیت رکھتا ہے۔ علم اصول فقہ اللہ تعالیٰ کے ان قرآنی احکام کی معرفت کے لیے ایک اہم علم ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے زمین پر قیام عدل کی غرض سے نبی مکرم ﷺ پر نازل فرمایا۔ اور ان احکام کا صحیح فہم و ادراک اس علم اصول فقہ کے بغیر ناممکن نظر آتا ہے۔ ایک مجتہد کو ہی یہ خدا داد صلاحیت حاصل ہوتی ہے کہ وہ اشتباہ و اغلاط سے اپنے دامن کو محفوظ رکھتے ہوئے کتاب الٰہی اور سنت نبوی ﷺ کی روشنی میں احکام کی صحیح تعبیر و تشریح کر سکتا ہے۔

علم اصول فقہ کی اہمیت اور علوم دین میں اس کی بنیادی حیثیت سے اعراض ممکن نہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ سے واضح ہے۔

**﴿ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ ﴾ (۱)**

(تو کیوں نہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلی تا کہ دین کی سمجھ حاصل کریں۔)

**﴿ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴾ (۲)**

(اور اُن کے دلوں پر مہر لگا دی گئی ہے تو وہ کچھ نہیں سمجھتے۔)

**﴿وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ☆ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ﴾ (۳)**

(اور میری زبان کی گرہ کھول دے تا کہ وہ میری بات سمجھیں۔)

**﴿ وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ﴾ (۴)**

(اور کوئی چیز نہیں مگر اس کی تعریف و ستائش میں رطب اللسان ہے۔ لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے۔)

**﴿ فَمَا لِ هٰٓؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا﴾ (۵)**

(تو ان لوگوں کو کیا ہو گیا کہ کوئی بات سمجھتے معلوم نہیں ہوتے۔)

احادیث رسولؐ سے بھی یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ علم اصول فقہ کو تمام علوم میں امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ اور تفکر و تدبر کو دیگر عبادات سے افضل قرار دیا گیا ہے۔

**مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ (٦)**

(اللہ تعالیٰ جس سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اُسے دین کی سمجھ عطا کر دیتا ہے۔)

**"وعن عبدالله بن عمروؓ قال : دخل النبي ﷺ المسجد وقوم يذكرون الله عز وجل وقوم يتذاكرون الفقه فقال النبي ﷺ : كلا المجلسين إلىٰ خير ، أما الذين يذكرون الله عز وجل ويسألون ربهم فإن شاء أعطاهم وإن شاء منعهم ، وهؤلاء يعلمون الناس ويتعلمون ، وإنما بعثت معلما ، وهذا أفضل فقعد معهم" (٧)**

(حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد نبوی میں داخل ہوتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت اللہ عزّ وجل کے ذکر واذکار میں مصروف ہے۔ جبکہ صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت دین کی فہم وفراست میں مشغول ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دونوں جماعتیں بھلائی کی طرف گامزن ہیں۔ جو جماعت اللہ عزّ وجل کے ذکر میں مصروف ہے، اور اپنے ربّ سے طلب کر رہی ہے اگر ان کا ربّ چاہے تو ان کو عطا فرمائے اور اگر چاہے تو نہ عطا فرمائے۔ اور وہ جماعت جو لوگوں کے لیے درس و تدریس میں مصروف ہے، اور یقیناً میں معلّم بنا کر مبعوث کیا گیا ہوں، اور یہ جماعت افضل ہے اور یہ فرما کر آپ ﷺ ان میں بیٹھ گئے۔)

**" ما بال قوم لا يفقهون جيرانهم ، ولا يعلمونهم ، ولا يعظونهم ، ولا يأمرونهم ، ولا ينهونهم ...." (٨)**

(قوم کو کیا ہو گیا ہے کہ اپنے ہمسایوں کو سمجھاتے نہیں اور نہ انہیں تعلیم دیتے ہیں۔ اور نہ اُنہیں وعظ ونصیحت کرتے ہیں، نہ اُنہیں نیکی کا حکم دیتے ہیں اور نہ انہیں برائی سے روکتے ہیں۔)

**" يسير الفقه خير من كثير العبادة وخير أعمالكم أيسرها" (٩)**

(دین میں تھوڑا سا تفکر و تدبّر کثیر عبادت سے بہتر ہے۔ تمہارے اعمال میں بہترین آسان (اعمال) ہیں۔)

**" من تفقه في دين الله كفاه الله همه ورزقه من حيث لا يحتسب " (١٠)**

(جو دین کے بارے میں فہم حاصل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے غم و پریشانی میں اس کے لیے کافی ہوتا ہے اور اسے رزق دیتا ہے جہاں سے اُسے گمان بھی نہیں ہوتا۔)

**" مثل العابد الذّی لا يتفقه كمثل الذی يبني بالليل ويهدم بالنهار " (١١)**

(ایسے عابد کی مثال جو بغیر تفکّر و تدبّر کے ذکر میں مصروف ہے، ایسے ہے جیسے رات کو عمارت تعمیر کرتا ہے اور دن کو گرا دیتا ہے۔)

ان آیات قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ ﷺ سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ علم اصول فقہ تمام اسلامی علوم کی بنیاد فراہم کرتا ہے جس کے ذریعہ قرآن و حدیث کے فہم ادراک میں مدد ملتی ہے۔ اصول فقہ کے ماہرین نے اس حقیقت کو اپنے اپنے انداز میں واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔

حجۃ الاسلام امام غزالیؒ کے الفاظ میں:

**"هو العلم الذّی إزدوج فيه العقل والسمع ، واصطحب فيه الرأی والشرع ، فأخذ من صفو الشرع والعقل سواء السبيل ، فلا هو تصرف بمحض العقول بحيث لا يتلقاه الشرع بالقبول ولا هو مبني علىٰ محض التقليد الذّ ی لا يشهد له العقل بالتأييد والتسديد " (١٢).**

(یہ ایک ایسا علم ہے جس میں عقل و سماع نیز رائے اور شریعت کا امتزاج ہے۔ اور یہ شریعت و عقل کا مساوی انتخاب ہے۔ نہ تو یہ محض عقل کا تصّرف ہے کہ اس میں شریعت کو تسلیم نہ کیا جائے۔ اور نہ ہی تقلیدِ محض ہے کہ جس میں عقل کی تائید نہ ہو۔)

حاجی خلیفہؒ کی رائے میں علم اصولِ فقہ:

**" هو علم يُتَعَرَّفُ به إستنباط الأحكام الشرعية الفرعية عن أدلتها الإجمالية " (١٣)**

(یہ ایک ایسا علم ہے جس کے ذریعے فروعی شرعی احکامات کے نتائج و استنباط کو ان کے اجمالی دلائل سے پہچانا جاتا ہے۔)

صدر الشریعہؒ علم اصول فقہ کے بارے میں رقمطراز ہیں:

**" علم القواعد التي يُتَوَصَّلُ بها إليه ( إلىٰ الفقه) علىٰ وجه التحقيق " (١٤).**

(ایسے قواعد کا علم ہے جس کے ذریعے تحقیقی طور پر فقہ تک رسائی حاصل کی جاسکتی ہے۔)

معلم بطرس بستانی کہتے ہیں:

**" علم الأصول ويقال أصول الفقه ؛ علم بأصول يعرف بها أدلة الفقه الإجمالية وطرق إستفادة جزئياتها وحال مستفيدها ، وموضوعه أدلة الفقه الإجمالية ، وحكمه : الوجوب العيني علىٰ من انفرد والكفائي علىٰ المتعدد وواضعه الإمام الشافعيؒ ۔'' (۱۵)**

(علمِ اصول کو علمِ فقہ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ ایسے اصول کا علم ہے جس کے ذریعہ فقہ کی اجمالی تعریفوں کو پہچانا جاتا ہے، اس کی جزیات سے استفادہ کیا جاتا ہے۔ اس سے استفادہ کرنے والے کے حال کو بیان کیا جاتا ہے۔ اس کا موضوع فقہ کی اجمالی ادلّہ ہیں۔ اس کا حکم انفرادی طور پر 'وجوب عینی' اور اجماعی طور پر ''وجوب کفائی'' ہے۔ اس علم کو وضع کرنے والے امام شافعیؒ ہیں۔

فرید وجدی دائرۃ المعارف میں اصول فقہ کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

**" علم الأصول : إذ طلقت الأصول علىٰ علم فلا تنسرف إلّا إلىٰ أصول الفقه ، وهذا العلم أول من وضعه الإمام الشافعيؒ ؛ وهو علم دلائل الفقه الإجمالية وأسسه الأولية وهو بالنسبة للأحكام الشرعية بمنزلة المنطق للأمور العقلية ، من هنا صار لكل مذهب أصول متميّزة لأنها لم يختلف تبعاً لإختلاف أصولها " (۱۶)**

(**علم اصول:** جب اصول کا اطلاق علم پر کیا جاتا ہے تو اس کا اطلاق صرف اصول فقہ پر ہوتا ہے۔ اس علم کے وضع کرنے والے پہلے فرد امام شافعیؒ ہیں۔ یہ اجمالی فقہی دلائل کا علم، اور اولین بنیادی علم ہے۔ یہ علم احکام شریعہ کے حوالہ سے امور عقلیہ کے لیے منطق کے قائم مقام ہے۔ ہر مذہب کے امتیازی اصول اسی سے ہیں۔ کیونکہ یہ اصولوں کے اختلاف کے باعث مختلف نہیں ہوتا۔)

بدران ابوالعینین کی رائے میں اصول فقہ کی تعریف اس طرح سے ہے۔

**"هو مجموعة القواعد و البحوث التى يتوصل بها الى استنباط الاحكام الشرعية العلمية من ادلتها التفصيلية" (۱۷)**

(یہ قواعد و مباحث کا مجموعہ ہے جس کے ذریعے شریعت کے عملی احکام کا تفصیلی دلائل سے استنباط کیا جاتا ہے۔)

برصغیر پاک و ہند کے لوگوں پر اللہ تعالیٰ نے احسانِ عظیم فرمایا کہ انہیں اسلام کی نعمت سے سرفراز فرمایا۔ اسلامی علوم بالخصوص علم اصول فقہ کے درس و تدریس میں برصغیر کے علماء کو ممتاز مقام

حاصل ہے، جنھوں نے اس عظیم الشان علم کی ترویج واشاعت کے لیے اپنی مساعی جمیلہ کو بہترین انداز میں بروئے کار لانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اور انہی کی فکری کاوشوں کے نتیجہ میں اصول فقہ کی قدیم اور بیش قیمت کتابوں پر علمی حواشی اور تبصرے منقش ہوئے۔ برصغیر پاک وہند میں خصوصی طور پر مذہب حنیفہ کی بیشتر اصولی کتابوں کی تصنیف وتالیف ہوئی مثلاً منارالانوار، اصول البزدوی، اصول السرخسی، تنقیح الاصول، کتاب التوضیح، التلویح، تقویم الادلۃ، اصول الجصاص، المختصر، التحریر، التقریر، اصول الشاشی اور مسلم الثبوت وغیرہ اہمیت کی حامل ہیں۔

شیخ عبدالحی لکھنوی نے ''الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند'' میں برصغیر پاک وہند کے علماء کی کثیر کتب کا تذکرہ کیا ہے جن میں فقہی، اصولی اور اجتہادی مسائل پر گفتگو کی ہے۔ اکثر علماء نے بنیادی اصولی کتب کی شروح اور حواشی تحریر کئے ہیں جن سے ان علماء کے تبحرِ علمی اور ثقاہت کا اظہار ہوتا ہے۔ (۱۸)

## مؤلّفِ مخطوط کے مختصر حالات زندگی:

مفتی عبدالسلام دیویؒ کا شمار برصغیر پاک وہند کے آسمانِ علم وعرفان پر چمکنے والے عظیم ستاروں میں ہوتا ہے۔ آپ کے آباء واجداد ایران کے صوبہ کرمان سے ہجرت کرکے ہندوستان میں آباد ہوئے۔ آپ کا سلسلۂ نسب اس طرح سے ہے۔ مفتی عبدالسّلام بن ابی سعید بن محبّ اللہ بن احمد بن عبدالرّحیم بن احمد الفیاض بن محمد اعظم حسنی کرمانوی دیوی (۱۹)۔ آپ کا شمار گیارہویں صدی ہجری کے جید علماء اور مغل شہنشاہ شاہجہان کے عہد کے عظیم امراء میں ہوتا ہے۔ آپ ملاّ عبدالکریم کے نواسے تھے۔۔۔۔۔ آپ صحیح النسب سید تھے (۲۰)۔ اور دیوہ کی نسبت سے دیوی کہلائے جو ضلع بارہ بنکی (لکھنو) کا ایک قصبہ ہے۔ (۲۱)

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے نانا سے حاصل کی اور اپنے قصبے اور علاقے کے نامور علماء سے بھی علم حاصل کیا، پھر عازم لاہور ہوئے (۲۲)۔ دیوہ اور کاکوری میں ابتدائی تعلیم سے فارغ ہوکر ملاّ صاحب لاہور کے شہرہ آفاق مدرس ملاّ عبدالسّلام لاہوری کے حلقہ درس میں داخل ہوئے (۲۳)۔ مولانا شاہ تراب علی قلندر اپنی مشہور تصنیف کشف التواری (قلمی) میں لکھتے ہیں کہ ملاّ عبدالسّلام دیوی مخدوم عبدالحکیم کے شاگرد اور انہیں سے تربیت یافتہ تھے (۲۴)۔

تحصیل (علم) کے بعد، ایک زمانے میں آپ کو اپنے استاد کی جگہ لاہور میں تدریس کے

فرائض ادا کرنے کا بھی شرف حاصل ہوا (۲۵)۔ یہاں تک کہ فقہ، اصول فقہ اور کلام میں اپنے اقران ومعاصرین سے فوقیت لے گئے۔ آپ کے معاصرین میں مولانا محمد فاضل بدخشی اور مولانا عبدالطیف سلطان پوری قابل ذکر ہیں (۲۶)۔ ملاّ دانیال چوراسی، ملاّ عبدالقادر فاروقی اور ملاّ عبدالحلیم (والد قطب الدین شہید سہالوی) جیسے علماء آپ کے تلامذہ میں دکھلائی دیتے ہیں (۲۷)۔

شہنشاہ شاہجہان خود بھی فاضل دیوی کا احترام کرتا تھا اور آپ کے علم وفضل کے اعتراف میں شاہجہان نے آپ کو اپنے دیوان اور لشکر میں مناصبِ جلیلہ پیش کئے (۲۸)۔

خیر الزمان صدیقی کے بیان کے مطابق:

**"....شاهجهان بادشاه بسبب استادیش وتبحر علوم بسیار اکرام اومی کرد ونزد خود می نشاند ، سند افتائے اردو معلّٰی بنام ملا بود ، تا عرصه ممتد خدمت مذکور ازو تعلق می داشت "(۲۹)**

(بادشاہ شاہجہان بحیثیت استاد اور کثیر علوم میں آپ کی تبحر علمی کی وجہ سے، آپ کی بہت زیادہ عزت وتوقیر کرتا تھا۔ وہ آپ کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھا لیتا۔ اور سلطانی لشکر میں مفتی کے عہدہ پر فائز کیا۔ آپ عرصہ دراز تک اس منصب پر فائز رہے۔)

بادشاہ کے ساتھ اس قرب ووابستگی اور شاہی اعزاز واکرام کے باوجود آپ اپنے قول وفعل میں واضع اور فکر وبیان میں مطلق آزاد تھے اور یہ وابستگی آپ کو حق کی پہچان اور باطل کی نشاندہی سے نہ روک سکی۔ ایک مرتبہ شاہجہان کے ساتھ قلعہ شاہجہان آباد (جو کہ اس وقت زیر تعمیر تھا) کی فصیل پر چلنے کا اتفاق ہوا۔ مولانا کی جانب سے دیوار پر چلتے کچھ لڑکھڑاہٹ محسوس کرتے ہوئے بادشاہ آپ سے مخاطب ہوا:

**اے ملاّ! از مرگ ایں قدر می ترسی که بردیوار رفتن نمی توانی ؟**

(مولانا موت سے اس قدر خوف کہ دیوار پر چلنے کی بھی ہمت نہیں؟)

آپ نے برجستہ جواب دیا:

**چگونه ترسم چرا که مثل من هزار سال چرخ اگر زندد گرپیدانه شود و مانند بادشاه بسیار ممکن اند**

(کیوں نہ خوف کھاؤں کہ آسمان ہزار گردش کرے پھر بھی میری مثل پیدا نہیں ہوسکتا۔ لیکن تیرے جیسے بادشاہ زمانے میں ممکن ہے کثیر تعداد میں موجود ہوں۔)

بادشاہ مسکرا کر خاموش ہوگیا (۳۰)۔

اور اسی طرح ایک واقعہ بھی بیان کیا گیا ہے جس میں دین اسلام کے ساتھ وابستگی کی وجہ سے مفتی عبدالسّلام کے قول کی صراحت اور عدم خوف کی جھلک نظر آتی ہے۔

ایک دفعہ ولی عہد شہزادہ داراشکوہ نے اپنے والد سے کہا آپ زمین پر ظل الٰہی اور خلیفہ الرسول ؐ ہیں۔ لہٰذا تمام خواص وعوام اور اعلیٰ وکمتر پر واجب ہے کہ وہ آپ کی اطاعت و تعظیم کرے۔ تمام علماء اور عامتہ الناس آپ کا احترام کرتے ہیں سوائے مفتی عبدالسّلام کے۔ جبکہ انہیں قرآن وحدیث کی فہم بھی ہے اور اس فہم اور تدبّر کے باوجود وہ آپ کی ویسی تعظیم نہیں کرتے جیسی کہ ان پر واجب ہے۔ قرآن کی نص سے یہ بات عیاں ہے کہ "﴿أَطِيعُواْ اللّهَ وَأَطِيعُواْ الرَّسُولَ وَأُوْلِي الأَمْرِ مِنكُمْ﴾" (۳۱) اور وہ اس حکم کی تعمیل نہیں کرتے۔

شاہجہان نے سن کر خاموشی اختیار کی اور کوئی جواب نہ دیا۔ کچھ دنوں بعد شہزادہ نے شاہجہان سے دوبارہ اس کا ذکر کیا تو اس نے جواب دیا جب مفتی صاحب دربار میں حاضر ہوں تو ان سے اس آیت کا معنٰی اور تفسیر معلوم کرنا۔

ایک مجلس میں جہاں مفتی صاحب موجود تھے دارا شکوہ نے اُن سے اس آیت کا معنٰی دریافت کیا۔ مفتی صاحب نے کہا اس آیت کا مفہوم ومعنٰی بالکل واضح ہے۔ کہ تم پر واجب ہے کہ اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اور اس کے نائب کی۔ شہزادہ نے سوال کیا: اس کا نائب کون ہے۔ مفتی صاحب نے جواب دیا۔ نائب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ شخص ہے جو لوگوں کو دین اسلام کی طرف راہنمائی کرے۔ اور اس کی تفسیر یہ ہے کہ بادشاہ کو چاہیے کہ وہ ہمارا ادب واحترام کرے۔ جب شہزادہ نے یہ سنا تو اس پر سکوت طاری ہوگیا اور کوئی بات کرنے کی استطاعت نہ رہی۔

شاہجہان نے مسکراتے ہوئے شہزادے سے کہا، سن لیا مفتی صاحب کا جواب (۳۲)"

بعض تذکرہ نگاروں نے اس نوعیت کے مزید واقعات کا ذکر کیا ہے جن سے مفتی عبدالسلام

دیوی کی عظمت کا بخوبی اظہار ہوتا ہے۔

شاہجہان کے عہد حکومت میں آپ کو شاہی لشکر میں مفتی کا عہدہ دیا گیا مگر لاہور کی آب وہوا پھر انہیں کھینچ لائی اور وہ یہاں ایسے جم کر بیٹھے کہ پھر نہ اُٹھے (۳۳)۔

ملّا عبدالسّلام دیوی کے کئی فرزند تھے وہ بھی اپنے وقت کے مشاہیر میں شامل تھے۔ان میں ملّا نور الہدیٰ، ملاّ نظام الدین احمد، ملاّ سید عبدالحفیظ، ملاّ عبدالباقی (شارح مثنوی مولانا روم) اور عبد الصمد مفسرِ قرآن کے نام اکثر تذکروں میں ملتے ہیں (۳۴)۔

مفتی عبدالسّلام دیوی نے اپنے ایک اور بیٹے عبدالمعالی کا ذکر بھی کیا ہے۔اور اپنی کتاب ''**الانشر احات المعالیه**'' کے مقدمہ میں کتاب کو اپنے بیٹے سے منسوب کیا ہے جو''نقوش''لاہور نمبر کے مطابق اُس کے زمانہ طالب علمی میں فنِ حکمت ومنطق میں تصنیف کی۔مگر خود مولّف نے کتاب کے مقدمہ میں کتاب کو اپنے بیٹے کی وفات کے بعد اس مرحوم ومغفوز کے اطمینانِ قلب کی خاطر لکھنے کا ذکر کیا ہے (۳۵)۔

''نقوش''لاہور نمبر میں مفتی عبدالسلام کی ایک بیٹی کا ذکر بھی ان الفاظ میں ہے آپ نے اپنے رہنے کے لیے قصبہ دیوہ میں ایک حویلی بھی بنوائی تھی جسے بعد میں آپ نے اپنی بیٹی کے نام ہبہ کر دیا (۳۶)۔مگر کسی تذکرہ میں آپ کی بیٹی کے نام کا علم نہیں ہوسکا۔

مفتی عبدالسّلام دیوی نے بہت سی کتابوں کی تصنیف وتالیف کی جن میں

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۱۔ | حاشیہ علی حاشیۃ الخیالی | ۲۔ | شرح علی المنار |
| ۳۔ | حاشیہ علی تفسیر البیضاوی | ۴۔ | حاشیہ علی شرح الصحائف (فی الکلام) |
| ۵۔ | حاشیہ علی ہدایۃ الفقہ | ۶۔ | شرح علی تہذیب المنطق |
| ۷۔ | حاشیہ علی التحقیق | | وغیرہ قابل ذکر ہیں (۳۷)۔ |

مولانا عبدالسلام دیوی کی درست تاریخ وفات کا علم نہیں ہوسکا۔عبدالحی لکھنوی مولّف ''نزہۃ الخواطر'' نے ایک قول نقل کیا ہے۔

**قال الصوفی فی ''اکسیر'' انه مات فی تسع و ثلاثین و الف (۱۰۳۹ھ)۔**

(صوفی نے اپنی کتاب اکسیر میں کہا ہے کہ یقیناً وہ (مفتی عبد السّلام دیوی) ۱۰۳۹ھ میں فوت ہوئے۔)(۳۸)

''بادشاہ نامہ'' کے مؤلّف نے سال ۱۰۴۷ھ کے واقعات بیان کرنے کے بعد علماء وفضلاء کے تذکرے میں ملا عبد السّلام دیوی کا ذکر شامل کیا ہے۔ جس کے یہ آخری الفاظ بتاتے ہیں کہ ملاّئے موصوف اس وقت (یعنی ۱۰۴۷ھ) تک زندہ تھے۔

''جن حضرات سے بادشاہ نے دعا اور نمازِ استسقاء کی درخواست کی تھی ان میں سید جلال الدین، مفتی عبد السّلام دیوی، شیخ مجیب علی سرہندی، مظہر بدائع اور شیخ ناظر شامل ہیں''(۳۹)۔

محمد اسحاق بھٹی مؤلّف ''فقہائے ہند'' کی رائے میں:

''شاہجہان کے دسویں سال کے جلوس کا سنہ ۱۰۴۶ھ ہے۔۔۔۔۔۔یعنی ۱۰۴۶ھ میں مفتی عبد السلام زندہ تھے'' (۴۰)۔

فہرست مخطوطات بانکی پور لائبریری کے مؤلّف نے مفتی عبد السّلام کی تاریخِ وفات ۱۰۴۲ھ بیان کی ہے۔ اور اس کی تائید میں ایک قطعہ تحریر کیا ہے۔

شیخ عبد السّلام مولانا اوستاذ سرھمہ فضلا
سالِ فوتش چو از خرد جستم خردم گفت افضل علما
(۱۰۴۲ھ) (۴۱)

شیخ مولانا عبد السّلام کا شمار تمام بڑے بڑے علماء کے اساتذہ میں ہوتا ہے۔
جب میں نے عقل سے ان کا سالِ وفات معلوم کیا تو عقل نے مجھ سے کہا ''افضل علما'' (۴۲)

## مخطوط کا تعارف

''**الانشر احات المعالیه**'' تالیف مفتی عبد السّلام دیوی (۴۳) جسے ہم نے تنقیدی جائزہ اور علمی تحقیق کے لیے منتخب کیا ہے، اس کا مخطوط پنجاب یونیورسٹی کی مرکزی لائبریری میں موجود'' فہرست مخطوطات'' میں ۲۹۳۴ نمبر کے تحت محفوظ ہے۔ یہ مخطوط بہتر حالت اور مکمل صورت میں ہے، جسے خط نسخ میں تحریر کیا گیا ہے۔ اور ۳۵۰ اوراق (۷۰۰ صفحات) پر مشتمل ہے۔ ہر صفحہ ۲۲x۱۴ سینٹی میٹر سائز کا ہے جس پر ۱۷ سطریں تحریر ہیں۔ مخطوط پر اس کے موضوع کے بارے میں کچھ درج ہے،

اور نہ ہی اس کے کاتب اور تاریخ کتابت کے بارے میں کوئی وضاحت ملتی ہے۔

اس کتاب کا دوسرا مخطوط بانکی پور لائبریری انڈیا میں زیر نمبر ۱۵۰۸ موجود ہے۔ اور ''الشرح علی المنار'' کے نام سے درج ہے۔ جو ۲۴۰ اوراق (۴۸۰ صفحات) پر مشتمل ہے۔ جسے ہم نے مائیکرو فلم کی صورت میں حاصل کیا، خستہ حالت میں اور دونوں اطراف سے ناقص ہے۔

مخطوط ابتداء میں ناقص ہے جس کے باعث مولّف فہرست مخطوطات بانکی پور لائبریری اس کے اصل نام سے متعارف نہیں ہوسکا۔ کیونکہ اس کی ابتداء بغیر مقدمہ کے، اوران الفاظ سے ہوتی ہے۔

**"قوله " بسم الله الرحمن الرحيم " بدأ كتابه بأن جعله مبدأه ........" (۴۴)**

اوراسی طرح آخر میں بھی ناقص ہے اوراس پر کاتب کا نام اور نہ ہی تاریخ کتابت درج ہے۔ جبکہ جامعہ پنجاب میں موجود قلمی نسخہ مقدمہ کے ساتھ ہے اور اس کی ابتداء درج ذیل عبارت سے ہوتی ہے۔

**''الحمد للّٰه الذى دلّ على وجوده بتكوين المخلوقات ........"**

یہ مخطوط جسے ہم نے اپنی علمی تحقیق کے لیے منتخب کیا ہے، موضوع کے لحاظ سے نادر اور نوعیت کے لحاظ سے یکتا ہے۔ اس قلمی نسخے کا موضوع علم اصول فقہ ہے۔ یہ مخطوط دراصل ابوالبرکات عبد اللہ بن احمد المعروف حافظ الدین نسفیؒ (متوفی ۷۱۰ ھ)(۴۵) کی کتاب ''منارالانوار'' (منارالاصول) (۴۶) کی شرح ہے۔ جس کا اظہار خود موٴلّف نے مقدمہ کتاب میں ان الفاظ کے ساتھ کیا ہے۔

**" ثم المختصر الموسوم بمنار الأصول من مصنفات حافظ الملة والدين أبي البركات النسفي برد الله مضجعه لما كان جامعاً لمسائل أصول الشيخين فخر الإسلام البزدوى(۴۷) وشمس الأئمة السرخسي(۴۸) وكان خالياً من غبار كلام الأشعرية(۴۹) والمعتزلة (۵۰) فاخترت تحرير مسائله وتبيين مبانيه من المسائل الكلامية" (۵۱)**

(یہ کتاب بعنوان ''منارالاصول'' حافظ ملت ودین ابوالبرکات نسفی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف میں سے ہے۔ جو کہ دو عظیم شخصیات فخر الاسلام بزدویؒ اور شمس الائمہ سرخسیؒ کے مسائل اصول کی جامع ہے، اشعریہ اور معتزلہ کے کلام کی گرد سے صاف ہے۔ لہٰذا میں نے مسائل کلامیہ میں اس کے مسائل

واصول کے تحریر کرنے کا انتخاب کیا ہے۔)

عبارت مذکورہ میں فاضل مؤلف نے ''المنار'' کی جن دو امتیازی خصوصیات کا ذکر کیا ہے۔

اول: کتاب المنار فخر الاسلام بزدویؒ اور شمس الائمہ سرخسی کی کتب سے بے نیاز کر دیتی ہے۔

دوم: یہ کتاب اشاعرہ اور معتزلہ کے مباحث کلامیہ سے پاک ہے۔

بعد ازاں فاضل شارح نے اپنی شرح کا اسلوب بھی واضح کر دیا ہے۔

نیز متنِ کتاب کے الفاظ و معنی کی عمومی تشریح کے علاوہ ان تمام مقامات کی خاص توضیح کر دی ہے جہاں مسائل کلامیہ کے حوالہ جات آتے ہیں۔ اور حسب ضرورت ہر مسئلہ کا کلامی پس منظر بھی بیان کر دیا ہے۔ مفتی عبدالسّلام نے کتاب کے مقدمہ میں اس کی وضاحت ان الفاظ میں کی ہے:

**" فاخترت تحرير مسائله وتبيين مبانيه من المسائل الكلامية ـ كمسئلة القدر ـ أهي علة للفعل أو شرط له ، والعدم معلل أم لا ، والحال متحققة أم لا .. فذكرت تحت كل مسئلة مبناها إن دعت الحاجة إليه ....'' (۵۲)**

(میں نے مسائل کلامیہ میں سے مسائل اور اصول تحریر کرنے کا انتخاب کیا ہے جیسے کہ مسئلہ قدر، کیا یہ فعل کی علت ہے یا شرط۔ اور عدم، معلل ہے یا نہیں۔ اور حال، محقق ہے یا نہیں۔ اور میں نے ہر مسئلہ کے تحت جہاں جہاں ضرورت محسوس ہوئی اس کا اصول ذکر کر دیا ہے۔)

بعض تذکرہ نگاروں نے مفتی عبدالسلام دیوی کے مرتب کردہ ''شرح منار الاصول'' اور ''الانشراحات المعالیہ'' کو مؤلف کی دو الگ الگ تصانیف شمار کیا ہے۔ درحقیقت ''الانشراحات المعالیہ'' ہی منار الانوار کی شرح ہے جس کے بارے میں مؤلف نے اپنے مقدمۂ کتاب میں ان الفاظ سے توجہ دلائی ہے۔

**" ولما كان الداعي لهذا التأليف الولد المغفور المبرور أبو المعالي (۵۳) وكان تحريراً مفيداً لإنشراح خاطره سميته بـ " الإنشراحات المعالية '' (۵۴).**

(اس کتاب کی تالیف کا باعث میرا نیک صفات مرحوم و مغفور بیٹا عبدالمعالی ہے اور یہ

کتاب اُس کے دل کی آسودگی کا باعث بنے گی۔ اسی لیے میں نے اس کا نام ''الانشراحات المعالیہ'' رکھا ہے۔)

اسی طرح مخطوط کے خاتمہ پر کاتب نے اپنا نام اور تاریخ لکھے بغیر اس کا اختتام کرتے ہوئے ''الانشراحات المعالیۃ'' کو شرح المنار قرار دیا ہے۔

**" قد وقع الفراغ من تسوید شرح المنار المسمیٰ بالإنشراحات المعالیة في علم الإصول من مصنفات ملا عبد السلام رحمة الله علیه "(۵۵).**

(علم اصول فقہ میں کتاب المنار کی شرح ''الانشراحات المعالیہ'' جو ملّا عبدالسّلام رحمتہ اللہ علیہ کی تصنیفات میں سے ہے، کے مسودہ کی تحریر سے فراغت حاصل ہوئی۔)

## الانشراحات المعالیہ کی امتیازی خصوصیات:

کتاب اپنے انداز تالیف کے باعث امتیازی حیثیت رکھتی ہے۔ مؤلف نے اس میں فقہاء کے انداز پر گفتگو کرنے کے ساتھ ساتھ احکامات کی بحث میں متکلمین کے طریقہ کو جمع کر دیا ہے۔ یہ مخطوط اپنے مختلف امتیازات کی وجہ سے برصغیر کے علماء کی تالیفات میں جداگانہ اور ممتاز مقام پر فائز ہے، اور کتاب کو اس خطہ ارضی میں مرتب کردہ اہم اصولی مصادر میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ اس مخطوط کے امتیازات کا اجمالی جائزہ لیا جائے تو درج ذیل اہم نکات سامنے آتے ہیں۔

☆ جس زمانہ میں مؤلّف کی نشو ونما ہوئی وہ مغل شہنشاہ شاہجہان کا عہد حکومت تھا۔ مؤلّف کی تحریروں میں اس دور کے شیعہ اور سنّی افکار و اعتقادات میں اختلافات کی جھلک نظر آتی ہے۔ مثال کے طور پر جہاں انہوں نے صراطِ مستقیم کی شرح کی ہے۔ واضح طور پر دیکھائی دیتا ہے کہ مؤلّف کا اس بات پر اصرار ہے کہ اس راستہ پر منزل کا حصول اتباع شیخین ابوبکرؓ اور عمرؓ کے بغیر ممکن نہیں۔

اُن کے الفاظ میں:

**"......قوله (الصراط المستقیم.....) و هی ملة الإسلام ولایتوصل الیها مصونة عن البدعة إلّا بإقتفاء أبي بکرؓ وعمرؓ الذین أثبتا الدین بعد وفاته ﷺ حین ارتد القوم ومنعوا الزکاة**

**......فلذا فسر الفقيه أبو الليث الصراط المستقيم بصراط أبي بكرؓ وعمرؓ...''(۵٦).**

(یہ ملت (دین) اسلام ہے۔اور بدعات سے بچ کر اس تک پہنچنا اُس وقت تک ممکن نہیں جب تک حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی اتباع و پیروی نہ کی جائے۔جنہوں نے نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد دین کی بنیادوں کو مضبوط کیا۔اُس وقت جبکہ لوگ مرتد ہوگئے اور زکوٰۃ کی ادائیگی سے منکر ہو گئے تھے۔اسی لیے فقیہ ابواللیث نے صراط مستقیم کی تفسیر صراطِ ابوبکرؓ وعمرؓ کی ہے۔)

☆ باوجود اس کے کہ مؤلف کا حنفی مکتبۂ فکر سے تعلق ہے۔مگر انہوں نے علمی مباحث میں اپنے دور میں مروج تمام مذاہب اور مکاتب فکر مثلاً حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ، اشاعرہ، معتزلہ، ماتریدیہ کے افکار سے استفادہ کیا ہے اور اُن مذاہب کی آراء کا علمی جائزہ لینے کے بعد بغیر کسی مذہبی تعصب کے ان میں سے احسن رائے کا انتخاب کیا ہے۔اس طرح یہ کتاب علم اصول فقہ میں ایک قیمتی اضافہ اور اثاثہ ثابت ہوئی ہے۔

☆ مولّف نے فقہ حنفی کے جن عظیم فقہاء کی کتابوں سے استفادہ کیا ان میں امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، امام خصافؒ اور امام طحاویؒ قابل ذکر ہیں۔اسی طرح فقہ شافعیہ کے عظیم فقہاء جن میں امام شافعیؒ کے علاوہ امام مزنیؒ، امام غزالیؒ، امام رافعیؒ، امام نوویؒ، امام سیوطیؒ اور امام سبکیؒ نمایاں نظر آتے ہیں، کی کتابوں سے اہم مضامین شامل کئے ہیں۔

☆ فقہاء کی آراء کے ساتھ ساتھ مولّف نے اس میں اکابر علماء اصولیّین کی آراء کو شامل کیا ہے۔جن میں قاضی عبدالجبار معتزلیؒ، ابن شریحؒ، امام غزالیؒ، قاضی ابوبکر باقلانیؒ، ابوالحسین بصری معتزلیؒ، ابن حاجبؒ، امام الحرمین جوینیؒ، امام کرخیؒ، کے علاوہ بہت سے عظیم مفکرین شامل ہیں۔جس سے کتاب کی اہمیت میں بہت اضافہ ہوگیا ہے اور یہ فقہ کی نادر دستاویز بن گئی ہے۔

☆ مولّف نے بڑے احسن انداز میں اختصار سے کام لیا ہے کہ محسوس ہوتا ہے جیسے دریا کو

کوزے میں بند کر دیا ہے مگر جہاں وضاحت کی ضرورت پیش آئی وہاں ضروری وضاحت بھی کر دی ہے۔اور ایسی فصیح و بلیغ وضاحت کی ہے کہ قاری دم بخود رہ جاتا ہے۔

کتاب ''الانشراحات المعالیہ'' بہت عمیق علمی مباحث پر مشتمل، بے نظیر و بے مثال حیثیت رکھتی ہے۔ یہ اصولِ فقہ پر ایک انسائیکلوپیڈیا ہے اور مولّف کے علم، ذہانت، فطانت، قوت حافظہ، فقہ اور اصول فقہ میں نظر عمیق پر دلیل ناطق ہے۔اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ یہ کتاب مولّف کی حیات میں ہی شہرہ آفاق ہو گئی۔اسی سے اس شرح کی جامعیت، افادیت اور کثرتِ مواد و معلومات کا اندازہ ہو جاتا ہے۔(۵۷)

ضرورت اس امر کی ہے کہ ایسے نادر اور نایاب علمی خزانوں کی تحقیق و تدوین کے بعد اشاعت کا بندوبست کیا جائے تاکہ اہل علم اور طلباء ان سے مستفید ہو سکیں۔

☆☆☆☆

# مصادر و مراجع


(۱): التوبہ ۹:۱۲۲ (۲): التوبہ: ۹: ۸۷ (۳): طہ ۲۰: ۲۷۔۲۸ (۴): بنی اسرائیل ۱۷: ۴۴.

(۵): النساء ۴: ۸۷ (۶): بخاری کتاب الایمان باب: من یرد اللہ بہ خیرا، ص (۷۱).

(۷): مسند الطیالیسی، باب: دخل النبی ﷺ المسجد، ص (۲۲۵۱).

(۸): مجمع الزوائد، باب فی التعلیم (جلد اول/ ۲۹۲) حدیث نمبر (۸۴۷).

(۹): مجمع الزوائد، باب فی فضل العلم (جلد الثالث/ ۲۰۸) حدیث نمبر (۱۸۴).

(۱۰): جامع الاحادیث، (جلد ۷/ ۱۵۶) حدیث نمبر (۲۱۶۸۶).

(۱۱): جامع الاحادیث، ( جلد ۶/ ۴۴۸) حدیث نمبر (۱۹۷۹۰).

(۱۲): غزالی، الامام حجۃ الاسلام محمد بن محمد، المستصفیٰ ( جلد ۱/ ۳)، مطبعۃ الامیریۃ، ۱۳۲۲ھ.

(۱۳): حاجی خلیفہ، مصطفیٰ بن عبداللہ حنفی، کشف الظنون (۱۱۳)، دار الفکر، بیروت، ۱۴۰۲ھ.

(۱۴): صدر الشریعہ، عبید بن مسعود حنفی، التنقیح (۲۰)، مطبعۃ الخیریہ، قاہرہ، ۱۳۲۲ھ.

(۱۵): معلم بطرس بستانی/ دائرۃ المعارف (۳/ ۷۴۸).

(۱۶): وجدی: محمد فرید، دائرۃ المعارف، مکتبۃ المثنی، بغداد ص ۳۸۶

(۱۷): العینین، بدران، اصول الفقہ، قاہرہ، ۱۹۶۵ء ص ۳۱

(۱۸): لکھنوی: عبدالحی بن فخر الدین الحسینی، الثقافۃ الاسلامیۃ فی الھند (۱۲۶۔۱۲۷)، مطبوعات مجمع العلمی، دمشق، ۱۳۷۷ھ.

(۱۹): بھٹی محمد اسحاق، فقہاء ہند (جلد ۴، حصہ ۲، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور پاکستان۔ صفحہ ۱۱۲).

(۲۰): محمد طفیل، نقوش لاہور نمبر، ادارہ فروغ اردو، لاہور پاکستان۔ ۱۹۶۲، ص (۵۰۶).

(۲۱): کوکب: عبدالنبی، فہرست مخطوطات جلد اوّل، جامعہ پنجاب ص (۹۰).

(۲۲): محمد طفیل، نقوش لاہور نمبر، ادارہ فروغ اردو، لاہور پاکستان۔ ۱۹۶۲ ص (۵۰۶).

(۲۳): کوکب: عبدالنبی، فہرست مخطوطات جلد اوّل، جامعہ پنجاب ص (۹۰).

(۲۴): محمد طفیل، نقوش لاہور نمبر، ادارہ فروغ اردو، لاہور پاکستان۔ ۱۹۶۲، ص (۵۰۶).

(۲۵): کوکب: عبدالنبی فہرست مخطوطات جامعہ پنجاب جلد اوّل، ص (۹۰).

(۲۶): محمد طفیل ،نقوش لاہور نمبر، ادارہ فروغ اردو، لاہور پاکستان ۔۱۹۶۲، ص (۵۰۶۔۵۰۷).
(۲۷): کوکب: عبدالنبی فہرست مخطوطات جامعہ پنجاب جلد اوّل ص (۹۰).
(۲۸): حوالہ سابق۔
(۲۹): صدیقی: خیر الزمان ، باغ و بہار (مخطوط) ،ص ۲.
(۳۰): محمد طفیل، نقوش لاہور نمبر، ادارہ فروغ اردو، لاہور پاکستان ۔۱۹۶۲، ص (۵۰۶).
(۳۱): النساء: ۵۹.
(۳۲): صدیقی: خیر الزمان ، باغ و بہار (مخطوط)، ص ۷.
(۳۳): کوکب: عبدالنبی، فہرست مخطوطات جامعہ پنجاب جلد اوّل ص (۹۱).
(۳۴): محمد طفیل ،نقوش لاہور نمبر، ادارہ فروغ اردو، لاہور پاکستان ۔۱۹۶۲ء ص (۵۰۷).
(۳۵): دیکھیے حوالہ نمبر ۵۳
(۳۶): محمد طفیل ،نقوش لاہور نمبر، ادارہ فروغ اردو، لاہور پاکستان ۔۱۹۶۲ء ص (۵۰۷).
(۳۷): بھٹی: محمد اسحاق ،فقہاء ہند جلد چہارم حصہ دوئم ،ادارہ ثقافت الاسلامیہ لاہور۔ ص ۱۱۲
(۳۸): لکھنوی: عبدالحی بن فخر الدین حسینی ،نزہۃ الخواطر ..جلد پانچ مجلس ادارہ معارف عثمانیہ حیدر آباد دکن انڈیا، صفحہ ۲۲۳
(۳۹): لاہوری: عبدالمجید، بادشاہ نامہ جلد اوّل، حصہ دوم ص ۳۴۳.
(۴۰): بھٹی: محمد اسحاق ،فقہاء ہند جلد چہارم حصہ دوم، ادارہ ثقافت الاسلامیہ لاہور۔ ص ۱۱۳.
(۴۱): دیکھیے فہرست مخطوطات (بانکی پور لائبریری) ہندوستان ص ۴۵.
(۴۲): الفاظ کے اعداد جمع کیے جائے تو تاریخ وفات سنہ ۱۰۵۲ بنتی ہے۔
(۴۳): ملاّ عبدالسّلام اعظمی دیوہ (اعظم گڑھ) کے رہنے والے تھے۔ (دیوہ کو اعظم گڑھ اور اسی نسبت سے مولانا کو اعظمی کہا ہے)۔ (تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند، جلد ۲، جامعہ پنجاب، لاہور، ۱۹۷۲ء. ص ۲۹۹
(۴۴): دیکھیے فہرست مخطوطات، بانکی پور لائبریری، ہندوستان ص ۴۵.
(۴۵): نسفی : عبداللہ بن احمد بن محمود حافظ الدین ابو البرکات حنفی، متوفی سنہ (۷۱۰ ھ) ہدیۃ العارفین ،منشورات مکتبہ المثنی بغداد (۱/۴۶۴).
(۴۶): دیکھیے ''المنار'' دار الکتب العلمیہ ، بیروت ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۶ء
(۴۷): بزدوی، امام فخر اسلام: شیخ الحنفیہ ، عالم ماوراء النہر، ابو الحسن علی بن محمد ، (۴۸۲ ھ) ہدیۃ العارفین

،منشورات مکتبہ المثنی بغداد (۶۹۳/۱).

(۴۸): سرخسی: شمس الائمہ محمد بن احمد بن ابی سہل سرخسی المتوفی (۴۸۳ ھ): کشف الظنون ،منشورات مکتبہ المثنی بغداد (۱۵۸۰/۲).

(۴۹): اشعریہ/اشاعرۃ: اسلامی فرقہ کلامیہ جس کے بانی ابوالحسن اشعری متوفی (۳۲۴ ھ)، الموسوعۃ المیسرۃ فی الادیان والمذاہب

دارالندوہ العالمیہ للطباعۃ والنشر والتوزیع، ریاض (۸۷/۱).

(۵۰): معتزلہ: فرقہ اسلامیہ، اموی دور میں ظاہر ہوا اور عباسی طور پر عروج حاصل ہوا۔ الموسوعۃ المیسر ہ فی الادیان والمذاہب، دارالندوہ العالمیہ للطباعۃ والنشر والتوزیع، ریاض (۴۹/۱)..

(۵۱): دیکھئے تحقیق مخطوط ''الانشراحات المعالیہ''، ص ۲۵

(۵۲): دیکھئے تحقیق مخطوط ''الانشراحات المعالیہ''، ص ۲۵

(۵۳): ابوالمعالی: مولف کا بیٹا جو علوم کثیر میں عالم متبحر تھا، (نقوش لاہور ص نمبر ۵۰۶)

(۵۴): کوکب: عبدالنبی فہرست مخطوطات جامعہ پنجاب جلد اوّل، ص (۹۰).

(۵۵): دیکھئے تحقیق مخطوط الانشراحات المعالیہ، ص ۴۴۶

(۵۶): دیکھئے تحقیق مخطوط الانشراحات المعالیہ، ص ۴۳.

(۵۷): تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند، جلد ۲، جامعہ پنجاب، لاہور، ۱۹۷۲ء. ص ۳۰۰

Majallah Tahqiq
Research Journal of
the Faculty of Oriental Learning
Vol: 35, Sr.No.96, 2014, pp 29 - 42

مجلّہ تحقیق
مجلّہ کلیہ علوم شرقیہ
جلد۳۵،جنوری۔مارچ ۲۰۱۴ء،شمارہ ۹۵

# مسلم معاشرے میں ترجیحاتِ نکاح
## (قرآن وسنت کی روشنی میں)

صباحت رمضان سیالوی☆

**Abstract:**

To perform marriage(Nikah) is the graceful and convenient source of meeting of man and woman.Which is introduced in various shapes of every religion.Islam has made Nikah so simple and convenient like other things but with time to time it becomes more difficult and complicated.The one of its particular reasons is based on lack of balance in the priorities of it,not having accurate knowlegde and realistic meaning about the conditions of Nikah.It has been discussioned as under subject for making this islamic Nikah much easier.Nikah has been determined with accurate preferences in the light of Quran and Sunnah,sothat this important and great act has been continued in every class of Pakistani muslim society.

مرد وعورت پر مشتمل انسانی معاشرہ ایک دوسرے کے وجود سے غافل یا بے نیاز نہیں رہ سکتے،قدرت نے دونوں کوفطری قانون کے تحت ایک دوسرے کی ضرورت بنایا ہے یہی ضرورت محبت کی صورت میں رشتۂ ازدواج قائم کر کے خاندان کے قیام کا سبب بنتی ہے،اللہ تبارک وتعالی نے قرآن کریم میں ارشادفرمایا۔

---

☆ ایم فل اسکالر،منہاج یونیورسٹی،لاہور

**وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً إِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ(۱)**

اسکی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے لیے تم ہی میں سے جوڑے پیدا کیے تا کہ تم ان سے سکون حاصل کرو، اوراس نے تمہارے درمیان محبت ورحمت پیدا کردی، بے شک اس میں غوروفکر کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

محولہ بالا آیۃ مبارکہ میں ایک طرف انسان کی دوجنسی تقسیم میں تخلیق کی حکمت بیان کی گئی ہے تو دوسری طرف اس رشتے کے فوائد کو خوبصورت پیرائے میں ذکر کیا گیا ہے۔اللہ عزوجل نے مرد کی ذات میں عورت کے لیے اور عورت کی ذات میں مرد کے لیے تخلیق کردہ محبت سے مربوط فطری سکون کا ذکر کیا ہے اور فطری محبت اور لگاؤ کا یہی قانون زوجیت کی اساس ہے۔

دنیا کی ہر قوم میں مذہب سے قطع نظر شادی ہی وہ طریقہ ہے جو نسلِ انسانی کی نمو کے لیے باعزت اور قابلِ قبول طریقہ سمجھا اور اختیار کیا جاتا ہے اسلام میں شادی کے لیے لفظ نکاح استعمال کیا گیا ہے اسلام میں نکاح مردوعورت کے مابین ایک شرعی تعلق کا نام ہے نکاح کا لفظی معنیٰ ''اَلْوطْءُ،وَالْعَقْدُ لَهٗ '' (۲) یہ لفظ ''نَكَحَ '' سے بنا ہے جبکہ نکاح کا لغوی معنیٰ شادی ہے ''نَكَحَ الْمَرْأَةُ '' عورت سے شادی کرنا (۳) لفظ نکاح شریعتِ اسلامی کی ایک معروف اصطلاح ہے جس کا اطلاق شوہر اور بیوی کے ازدواجی معاہدے پر ہوتا ہے عبدالرحمٰن الجزیری نے نکاح کا معنی وابستگی اور پیوستگی کے بیان کیے ہیں (۴) نکاح بنیادی طور پر دو غیر محرم مردوعورت کو ایک معاہدے سے وابستہ کر نے کے بعد دونوں کو ایک ایسے رشتے سے جوڑ دیتا ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے وابستہ ہو جاتے ہیں۔ نکاح ایک بنیادی اور فطری ضرورت ہے اسلام میں نکاح کا سب سے بڑا مقصد پاکیزہ معاشرے کا قیام ہے اور نکاح کا سب سے بڑا فائدہ نسلِ انسانی کی بقاء ہے۔اسلام میں نکاح ایک دینی و مذہبی عمل بھی ہے، یہ ایک گہرا تمدنی ،اخلاقی اور قلبی تعلق ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلام نے نکاح کے اصول وضوابط مقرر کیے ہیں اور فریقین کو حقوق کی ادائیگی کا پابند کیا ہے تا کہ شوہر اور بیوی ایک

دوسرے کے حقوق درست طریقے سے ادا کریں اور باہم حق تلفی سے محفوظ رہیں۔

کسی بھی کام کو سرانجام دینے کے لیے جو انداز اختیار کیا جاتا ہے اسے طریقہ کہا جاتا ہے اور کام کو بہترین طریقے سے سرانجام دینا اس کام کا ادب کہلائے گا، نکاح کا ادب یہ ہے کہ نکاح کے انعقاد و قیام میں ترجیحاتِ نکاح وشرائط نکاح کو ملحوظ رکھا جائے کامیاب نکاح کی بقاء اسکے مقاصد و فوائد کے حصول پر منحصر ہے اس کے لیے نکاح کی حقیقت سے واقفیت شرط ہے، انعقادِ نکاح کے دو رکن ہیں جو نکاح کا جزو ہیں جن کے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوتا جیسا یجاب وقبول، ایجاب سے مراد یہ ہے کہ فریقین میں سے مرد یا عورت نکاح کے الفاظ ادا کرے اور دوسرے فریق کا اثبات میں جواب دینا اور نکاح کو اختیار کرنا قبول کہلاتا ہے اور ایجاب وقبول کا ایک ہی مجلس میں ہونا شرط ہے، ایجاب و قبول کے لیے ماضی کا صیغہ کہا جائے گا(۵)،عورت اگر عاقلہ و بالغہ ہے تو اسے نکاح کا اختیار ہے ورنہ اسکی اجازت ولی پر موقوف ہے، نکاح کی بنیادی شرائط فریقین کا راضی ہونا ،دو گواہوں کا ہونا، اور گواہ سے مراد دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتیں ہیں، جبکہ گواہوں میں چار باتیں شرط ہیں آزادی، عقل، بلوغ اور اسلام۔حقِ مہر، حسبِ استطاعت شوہر اور بیوی کا رضامندی کے ساتھ مہر مقرر کرنا(۶) اور اس کی اساس قرآن کی آیت ہے۔

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحۡلَةً فَاِنۡ طِبۡنَ لَكُمۡ عَنۡ شَىۡءٍ مِّنۡهُ نَفۡسًا فَكُلُوۡهُ هَنِيۡٓــًٔا مَّرِیۡٓــًٔا (۷)

اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دے دیا کرو، ہاں اگر وہ اپنی خوشی سے اس میں سے کچھ تم کو چھوڑ دیں تو اسے ذوق وشوق سے کھالو۔

مسلمان مرد کا کافرہ یا مشرکہ عورت سے نکاح نہیں ہوسکتا مگر کتابیہ سے کیا جائے تو ہو جائے گا جبکہ مسلمان عورت کا نکاح کافر، مشرک یا کتابی مرد سے ناجائز وحرام ہے(۸)۔

نکاح کرنے کے اعتبار سے عورتوں کی دو قسم ہے ایک وہ جن سے نکاح جائز ہے دوسری وہ جن سے وقتی یا دائمی نکاح ناجائز وحرام ہے وہ عورتیں جو نامحرم ہیں ان سے نکاح جائز وحلال ہے

دوسری وہ جومحرمات ہیں مثلاً ماں، بہن، نانی، دادی، پھوپھی اور خالا وغیرہ یہ وہ عورتیں ہیں جن سے ہمیشہ کے لیے نکاح حرام و ناجائز ہے جبکہ کچھ عورتیں ایسی ہیں جن کے ساتھ رشتہ داری جڑنے کی بنا پر نکاح ناجائز وحرام ہے مثلاً خالا بھانجی یا پھوپھی بھتیجی سے بیک وقت نکاح حرام ہے(۹)۔

عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یُجْمَعُ بَیْنَ الْمَرْأَةِ وَ عَمَّتِهَا ، وَلَا بَیْنَ الْمَرْأَةِ وَ خَالَتِهَا.(۱۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی عورت اوراس پھوپھی اور کسی عورت اوراس کی خالہ کو نکاح میں جمع نہ کیا جائے۔

نکاح کا تحریری ریکارڈ ضروری ہے نکاح درست ہونے کے لیے رجسٹرڈ ہونا شرط نہیں ہے مگر پاکستان میں مسلم فیملی لاء آرڈیننس 1961ء کی رو سے ہر وہ نکاح جو اسلامی قوانین کے مطابق ہو اس کا رجسٹرار نکاح کے پاس اندراج ہونا ضروری ہے اگر ایسا نہیں کیا گیا تو یہ قابلِ سزا جرم ہے نکاح کو رجسٹرڈ کرنے کی غرض سے ہر نکاح رجسٹرار رجسٹرڈ برائے اندراج نکاح کو منظّم کرتا ہے(۱۱) مسلم فیملی لاء آرڈیننس 1961 کی دفعہ ۱۰ میں حق مہر کا ذکر ہے اس دفعہ کی رو سے اگر نکاح نامے میں حق ِ مہر کی ادائیگی کی تخصیص نہ کی گئی تو پورے حقِ مہر کی ادائیگی لازمی ہوجائے گی (۱۲) نکاح ورخصتی کے بعد بیوی کا کھانا پینا، لباس، رہنے کے لیے مکان اور دیگر ضروریاتِ زندگی اس کے شوہر کے ذمہ ہے شرعی اصطلاح میں اسے نفقہ کہتے ہیں جو شوہر کے ذمہ واجب ہے اس کا واضح ثبوت قرآنِ کریم کی آیتِ مبارکہ سے ملتا ہے۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَافَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَ بِمَا أَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ (۱۳)

مرد عورتوں کے سربراہ ہیں، اس لیے کہ اللہ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے کہ انہوں نے مال خرچ کیے حق مہر اور نفقہ کے لیے۔

نکاح کی شرعی حیثیت سنت ہے آپ ﷺ نے فرمایا۔

اَلنِّکَاحُ مِنْ سُنَّتِیْ وَفِیْ حَدِیْثٍ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ. (۱۴)

نکاح میری سنت سے ہے اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جس نے میری سنت سے اعراض کیا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

نکاح کے لیے یہ بھی مستحب ہے کہ اعلانیہ ہو، نکاح سے پہلے خطبہ ہو جو حدیث میں وارد ہے، مسجد میں ہو، جمعہ کے دن ہو، گواہوں کے سامنے ہو، عورت عمر، حسب، مال، عزت میں مرد سے کم ہو، اخلاق وتقوی و جمال میں بیش ہو (۱۵) نکاح کے لیے شوال کے مہینے کا بھی ذکر ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَاقَالَتْ تَزَوَّجَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰه صَلَّی اللّٰه عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ شَوَّالَ، وَبَنٰی بِیْ فِیْ شَوَّالَ فَأَیُّ نِسَاءِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ أَحْظٰی عِنْدَهٗ مِنِّیْ (۱٦)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شوال میں مجھ سے شادی فرمائی، شوال میں ہی پہلی بار رات کو میرے پاس تشریف لائے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں مجھ سے بڑھ کر آپ کو کون آپ کو پسندیدہ تھی؟

نکاح اعلانیہ اور مسجد میں کیا جانا زیادہ پسندیدہ ہے خفیہ نکاح کیا تو ہو جائے گا مگر ناپسندیدہ ہوگا جبکہ اس سے معاشرتی مسائل بھی پیدا ہوں گے، اور مسجد میں نکاح کی بڑی حکمت یہ ہے کہ مسجد سے بڑھ کر بابرکت جگہ اور کوئی نہیں، یہ وہ جگہ ہے جو اللہ کی عبادت کے لیے وقف ہے اور نکاح میں اللہ کے عبادت گزار لوگ بھی اس نیک کام میں شریک ہوں گے اور ان کی دعائیں بھی یقیناً شاملِ نکاح ہو جائیں گی، مسجد میں جگہ بھی وسیع ہوتی ہے نکاح میں رشتے داروں اور دوست احباب جمع ہوتے ہیں جن کے لیے وسیع جگہ درکار ہوتی ہے مسجد میں نکاح کرنے سے یہ سہولت بھی میسر آ جائے گی، چنانچہ حدیث پاک میں ہے۔

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ حَاطِبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ
فَصْلُ مَا بَیْنَ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ الدَّفُّ وَالصَّوْتُ فِی النِّكَاحِ (۱۷)

حضرت محمد بن حاطب سے روایت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حلال و حرام (نکاح و زنا) کے درمیان فرق دف اور نکاح کو اعلانیہ کرنے سے ہے۔

دف بجانا اور اس دف کے ذریعے نکاح کا اعلان کرنا سنت ہے، ربیع بنت معوذ سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ جس رات میں دلہن بنی اس کے دوسرے دن رسول اللہ ﷺ تشریف لائے کنیزیں دف بجا بجا کر گا رہی تھیں (۱۸) نکاح خوشی کا موقع ہے اسی لیے دف بجا کر خوشی منانے کی اجازت دی گئی ہے اور ایک حکمت ہے کہ دف کی آواز گویا شادی کا اعلان بھی ہے۔

شادی کے ارادے کے بعد سب سے پہلا مرحلہ مناسب رشتے کی تلاش ہے اس کے لیے جو معیار اسلام نے سمجھایا ہے وہی شادی میں آسانی پیدا کر سکتا ہے اور وہی شادی کو قائم رکھنے میں مددگار ثابت ہو سکتا ہے بصورت دیگر جو معیار ہم نے وضع کیے ہوئے ہیں وہ نا صرف ہمارے لیے مشکلات پیدا کر رہے ہیں بلکہ طلاق کی شرح میں اضافہ کا باعث بھی ہیں پاکستانی معاشرے میں رشتے کے لیے ان چیزوں کو ضروری سمجھا جاتا ہے جو عقل کے خلاف ہوتی ہیں اور دین میں بھی اس کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی مثال کے طور پر بعض خاندانوں اور برادریوں کے اندر لڑکے یا لڑکی کے لئے مناسب رشتہ موجود نہیں ہوتا اور دوسرے خاندان یا برادری میں بہت موزوں رشتہ موجود ہوتا ہے مگر لوگ اپنی برادری یا خاندان سے باہر صرف اس وجہ سے لڑکے یا لڑکی کا رشتہ نہیں کرتے کہ یہ رشتہ ان کے اپنے خاندان یا برادری سے باہر ہوتا ہے اور یوں اس لڑکی یا لڑکے کی شادی کی مناسب عمر گزر جاتی ہے کچھ گھرانے ایسے بھی ہیں جو اگر اپنی لڑکی یا لڑکے کا رشتہ کسی گھر سے جوڑنا چاہتے ہیں تو وٹہ سٹہ کے مطالبے کے ساتھ جوڑتے ہیں کہ اگر ہماری بیٹی شادی ہو کر آپ کے گھر جائے گی تو آپ کی بیٹی بھی ہمارے گھر بیاہ کر آئے گی اپنے تئیں گویا ضمانتی رشتہ جوڑنے کے متمنی ہوتے ہیں حقیقت میں یہ بھی جبر کی ایک صورت ہے اور اس کے اثرات اچھے نہیں ثابت ہوتے یا تو وہ رشتے قائم ہی نہیں

ہوتے اگر ہو جائیں تو اس کے برے اثرات دونوں خاندانوں کو اپنی لپیٹ میں لیے رکھتے ہیں ایک کے معاملات اگر صحیح نہیں ہیں تو بھائی کو اس کی بیوی پر بلا وجہ تنگی کے لیے آمادہ کیا جائے گا صرف اس لیے کہ ان کی بیٹی خوش نہیں ہے تو ہم بھی ان کی بیٹی کو تنگ کریں بالآخر دونوں خاندانوں میں لڑائی جھگڑے کی نوبت آجاتی ہے اور یہی وجہ خاندانوں کے ٹوٹنے کا سبب بن جاتی ہے، اگر رشتہ جوڑتے وقت ان باتوں پر غور کر لیا جائے تو رشتہ ٹوٹنے کی نوبت پیدا نہیں ہوتی یہ ایک انتہائی نامناسب معیار ہے اور برصغیر کے مسلمانوں پر ہندوانہ سوچ کی ایسی گہری چھاپ کا اثر ہے جو ساٹھ سال کے بعد بھی کم نہیں ہوا، بعض اوقات لڑکی سے رشتہ اس لیے منع کر دیا جاتا ہے کہ وہ ماڈرن نہیں ہے، فیشن ایبل نہیں ہے اور لڑکے سے رشتہ اس لیے منع کر دیا جاتا ہے کہ اسے دنیا داری نہیں آتی دین دار ہے داڑھی والا ہے داڑھی دیکھ رشتے سے انکار کر دیا جاتا ہے، بعض جگہ کم شکل اور ان پڑھ اور غریب اور بے سہارا لڑکی کا رشتہ تلاش کیا جاتا ہے تاکہ وہ ہمیشہ احسان مند رہے اور برے سلوک پر بھی آواز بلند کرنے کی جرأت پیدا نہ ہو، پاکستان میں دیہاتی معاشرے میں زیادہ تر خواتین کو ان کے حقوق سے آگاہ ہونے کی راہیں مسدود کر دی جاتی ہیں جب بنیادی حقوق سے ناواقفیت ہوگی تو جائز حق کے لیے آواز بلند کرنے کا امکان بھی پیدا نہیں ہوگا، ایسے لوگوں کی سوچ اور طرزِ فکر قابلِ افسوس ہے اور ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ شریعت کی پسندیدگی سے آگاہ ہوں اور اس پسند کو ترجیح دیں جس کو اسلام ترجیح دیتا ہے۔

اسی مناسبت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالی شان ہے۔

عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تُنْکَحُ النِّسَاءُ لِأَرْبَعٍ لِمَالِهَا وَلِحَسَبِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِیْنِهَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّیْنِ تَرِبَتْ یَدَاکَ(۱۹)

حضور ﷺ نے فرمایا کسی بھی عورت سے تین وجہ سے نکاح کیا جاتا ہے حسب، مال، جمال اور دین، تجھے چاہئے کہ دین والی کو ترجیح دو۔

مذکورہ بالا حدیث میں دین والی کو ترجیح دینے کی ترغیب ہے، اگر مال کے لیے شادی کی تو

خرچ کرنے سے مال ختم ہوجاتا ہے ایک وقت آئے گا کہ مال نہیں رہے گا جو نکاح مال کی وجہ سے کیا تھا وہ وجہ ختم ہونے کے بعد اس رشتے کو بنائے رکھنے کا کیا جواز ہوگا، حسب میں اگر بہت اعلی خاندان، یا کم حسب لڑکی سے رشتہ جوڑا اور لڑکا اس کے معیار کے مطابق نہیں ہوا یا لڑکی لڑکے کے خاندان کے معیار کے مطابق نہیں ہوئی تو اس رشتے کے بنے رہنے کے امکانات کم اور ختم ہونے کے امکانات زیادہ ہوں گے، شوہر اور بیوی کے درمیان محبت نہیں پیدا ہوسکے گی بلکہ شوہر اور بیوی کے مابین رشتہ احساسِ برتری اور احساسِ کمتری کی کشمکش کا شکار رہے گا، جمال وہ شے ہے جو عمر کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ کم ہوجاتا ہے ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اگر لڑکی حسین وجمیل ہے اور حسین لڑکی کی شادی بدصورت لڑکے سے یا بدصورت لڑکی کی شادی خوبصورت لڑکے سے ہوجائے تو دونوں کا دل ایک دوسرے کی طرف مائل نہیں ہوگا یوں اس رشتے کو قائم رکھنا مشکل ہوگا جمال کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ یہ محبت اور الفت کا ذریعہ ہے اس لیے نکاح سے قبل لڑکی کو دیکھنا سنت ہے اس کا واضح اشارہ حدیث میں موجود ہے ۔

**عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ خُطَبْتُ إِمْرَأَةً عَلٰى عَهْدِ الرَّسُوْلِ ﷺ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَ نَظَرْتَ إِلَيْهَا؟ قُلْتُ: لاَ قَالَ : فَانْظُرْ إِلَيْهَا فَإِنَّهُ أَجْدَرُ أَنْ يُؤْدَمَ بَيْنَكُمَا ۔(۲۰)**

حضرت مغیرہ بن شعبہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے ایک عورت کو پیغامِ نکاح دیا تو مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم نے اسے دیکھ لیا ہے میں نے کہا نہیں فرمایا اسے دیکھ لو کہ یہ تمھاری آپس کی دائمی محبت کا ذریعہ ہے۔

ہمارے معاشرہ اس بارے اس بارے میں افراط وتفریط کا شکار ہے اور حدیث میں جو ذکر ہے کہ دین داری کو ترجیح دو اس کے معنی یہ ہیں کہ فقط جمال حسب یا مال کو فوقیت نہ دو بلکہ حسب، مال ، جمال کے اوپر اگر کوئی چیز فوقیت رکھتی ہے تو وہ دین داری ہے اور دین داری کو زوال نہیں ہے، دین داری کی خوبی یہ ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ بڑھتی جاتی ہے اس کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اولاد کی تربیت نیک ماں کے ہاتھوں سے ہوگی، عورت کی دین داری اور پارسائی دنیا کی سب سے قیمتی متاع

جس کی تائید حدیث پاک کرتی ہے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ الدُّنْيَا كُلُّهَا مَتَاعٌ وَ خَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ. (۲۱)

حضورﷺ نے فرمایا کہ پوری دنیا ایک متاع ہے اوراس متاع کی بہترین چیز نیک بیوی ہے۔

اگر عورت پارسا نہیں ہوگی تو مرد کے مال میں خیانت کرے گی تو شوہر فکر مند ہوگا اور اگر بدکردار ہوگی تو شوہر کی بدنامی کا باعث ہوگی منع کرنے پر زندگی تلخ ہوجائے گی اور طلاق سے بہتر حل نہیں ہوگا، مرد سے شادی کرنے سے قبل بھی دین داری اور پارسائی کو فوقیت دی جانی چاہیے دینداری صرف عورت کے لیے شرط نہیں ہے بلکہ مرد کے لیے بھی اسی ضروری ہے جس قدر عورت کے لیے ضروری ہے چنانچہ حدیث پاک ہے۔

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ إِذَا خَطَبَ إِلَيْكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِيْنَهٗ وَ خُلُقَهٗ فَزَوِّجُوْهُ اِنْ لَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِى الْاَرْضِ وَ فَسَادٌ عَرِيْضٌ (۲۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جب تمہیں پیغام نکاح وہ شخص دے جس کی دینداری اور اخلاق تم کو پسند ہیں تو نکاح کر دو اگر یہ نہ کرو گے تو زمین میں فتنے اور بڑے فساد برپا ہوجائیں گے۔

نکاح اسلام میں جس قدر ضروری ہے اسی قدر اسلام نے نکاح کو آسان بھی بنایا ہے پاکستانی معاشرے میں جو نکاح اور شادیاں ہورہی ہیں وہ نا صرف مشکل بلکہ کسی حد تک ناممکن نظر آرہی ہیں، ہمارے معاشرے میں رسم ورواج کی بہت اہمیت ہے، اوران پر بہت زور دیا جاتا ہے، پاکستان میں برصغیر کی تہذیب وتمدن کے اثرات اسلامی تعلیمات پر غالب ہیں جن کا مظاہرہ شادی کے مواقع پر ہوتا ہے شادی کے دوران روا رکھی جانی والی غلط رسوم مثلاً ستارے ملا کر رشتہ کرنا، منگنی کی رسم اوراس میں لین دین، شادی کی تاریخ طے کرنا، جہیز، بری، نمود ونمائش، فائرنگ وآتشبازی، مایوں

،تیل، مہندی، پیسے وارنا، مہمانوں کی کثرت، ناچ گانا، ڈھول باجے اور عورتوں کا ناچ گانا، منہ دکھائی، دولہا دلہن کے ہاتھ پر گانہ باندھنا، سہرا باندھنا، ہار پہنانا، واگ پھرائی، سلامی، اخراجات کی کثرت، بارات روک کر پیسے لینا، جوتا چھپائی، دودھ پلائی، گھٹنہ بٹھائی، مکلاوہ وغیرہ ایسی زائد اور ناجائز رسومات ہیں کہ جن کے بغیر شادی نامکمل سمجھی جاتی ہے۔

رشتہ طے کرتے وقت لڑکا اور لڑکی کے ستارے ملائے جاتے ہیں، ستارے ملانے سے مراد یہ ہے کہ کسی بےعمل بے دین عامل سے رجوع کیا جاتا ہے جو حساب لگا کر بتاتا ہے کہ یہ رشتہ صحیح رہے گا یا نہیں، یہی ستارے ملانا ہے، یہ ایک بالکل غیر شرعی اور ہندوانہ رسم ہے ستاروں کا نکاح وتقدیر سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس نظریہ کی نفی حدیث پاک سے ثابت ہے چنانچہ ارشاد رسول ﷺ ہے۔

قَالَ قَتَادَةُ (وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ) خلقَ هٰذِهِ النُّجُومَ لِثَلٰثٍ: جَعَلَهَا زِيْنَةً لِّلسَّمَاءِ وَ رُجُومًا لِّلشَّيَاطِيْنَ وَ عَلَامَاتٌ يُهْتِدٰى بِهَا فَمَنْ تَأَوَّلَ فِيْهَا بِغَيْرِ ذَالِكَ أَخْطَأَ وَأَضَاعَ نَصِيبَهُ وَ تَكَلَّفَ مَالَا عِلْمَ لَهُ بِهِ .(۲۳)

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا (اللہ کا ارشاد ہے) اور بلاشبہ ہم نے قریب کے آسمان کو چراغوں سے مزین کیا، یہ ستارے تین فائدے کے لیے پیدا کیے ہیں: آسمان کی زینت کے لیے اور شیطانوں کو سنگسار کرنے کے لیے اور علامتیں ہیں جن سے راستہ جانا جاتا ہے، جس نے ان کے علاوہ اور کوئی تاویل کی اس نے غلطی کی اور اس نے علم سے اپنا حصہ ضائع کر دیا اور جس کا اسے علم نہیں تھا اس کو بھی ضائع کر دیا۔

منگنی کی باقاعدہ رسم ادا کی جاتی ہے لڑکی لڑکے کو انگوٹھی پہناتی ہے اور لڑکا لڑکی کو انگوٹھی پہناتا ہے مرد و عورت کا اختلاط ہوتا ہے گانا بجانا ہوتا ہے، منگنی نکاح نہیں ہے بلکہ نکاح کا وعدہ ہے نکاح سے پہلے لڑکی اور لڑکا ایک دوسرے کے لیے نامحرم ہیں اور اجنبی کا چھونا حرام ہے (۲۴)

جہیز، جھز (۲۵) سے نکلا ہے جس کا مطلب تیار کرنا، مہیا کرنا ماں باپ اپنی بچی کو شادی پر جو اشیاء دیتے ہیں اصل میں جہیز ان تحائف کا نام ہے (۲۶) شادی کے موقع پر ماں باپ اپنی بیٹی کو دیتے ہیں لڑکی کو جہیز حسب توفیق دیا جائے جس میں نا تو اسراف ہو اور نا ہی قرض لے کر جہیز دیا جائے جہیز لڑکی کی ملک ہوتا ہے لڑکے اور اس کے گھر والوں کا اس پر کوئی حق نہیں ہے، اور نہ ہی لڑکے

کا مطالبہ جہیز کے کیسے درست ہے مصلحت کا تقاضا ہے کہ اس رسم کو سادگی سے ادا کیا جائے یا سرے سے ختم کر دیا جائے کیوں کہ اس کے مفاسد زیادہ ہیں اور مصالح کم ہیں، جہیز کی ممانعت میں کوئی صریح حکم قرآن وسنت میں نہیں ہے، لڑکی کو جہیز دینا بھی محض ایک رسم ہے، قرآن پاک نے اس کا حکم نہیں دیا ، لڑکے کا جہیز طلب کرنا بڑی زیادتی ہے، قرآن نے اسے کچھ دینے کے لیے کہا ہے لینے کے لیے نہیں۔ جہیز کے مطالبات ہمارے لیے مشکلات میں اضافہ کا باعث ہیں اس کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے شعبہ سماجی بہبود کی ایک طالبہ نے ۱۹۶۱ء میں لاہور کے ایک محلے حبیب گنج میں ایک جائزے کے بعد یہ انکشاف کیا کہ وہاں اس وقت ۳۹ لڑکیاں ایسی تھیں، جن کی عمر شادی کے قابل تھی اور ان کے ماں باپ ان کے رشتوں کی تلاش میں ہیں مگر جہیز کا معاملہ ایک رکاوٹ بنا ہوا تھا(۲۷)

یہ آج سے ۵۲ سال پہلے کی تعداد ہے اور آج پاکستان میں ۵۲% خواتین ہیں یقیناً اب ان کی تعداد سینکڑوں میں ہوگی اور اس کی بنیادی وجہ جہیز کی ادائیگی اور مطالبۂ جہیز ہے۔

نکاح سے کچھ دن پہلے ایک رسم ادا کی جاتی ہے اسے مایوں کہا جاتا ہے مایوں میں لڑکی کو زرد کپڑے پہنا کر گانا گا کر ابٹن لگا کر گھر کے ایک کمرے میں مخصوص جگہ پر بٹھا دیا جاتا ہے، تیل مہندی کی رسم ہوتی ہے لڑکے کو خواتین تیل لگاتی ہیں اور لڑکی کو مہندی لگائی جاتی ہے بعض خاندانوں میں لڑکے کو بھی مہندی لگائی جاتی ہے دلھا دلہن کو ابٹن لگایا جاتا ہے مایوں ،مہندی اور تیل کی رسم میں مرد وعورت کا اختلاط ہوتا ہے نامحرم عورتیں لڑکے کا ہاتھ پکڑ کر ابٹن اور سر پر تیل لگاتی ہیں، دلھا دلہن کی جانب سے لڑکے اور لڑکیوں کے درمیان گانے بجانے اور ناچنے کا مقابلہ ہوتا ہے جو اکثر اوقات پوری رات پر محیط ہوتا ہے، مایوں ،مہندی اور تیل ہندوانہ رسوم ہیں اور اسلامی احکامات اور ماحول میں ان کی کوئی گنجائش نہیں ہے یہ رسمیں حرام کاموں کا مجموعہ ہیں، دلہن کو خواتین مہندی ،ابٹن ،اور دوسری سنگھار کی چیزیں لگا سکتی ہیں اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور لڑکے کو ابٹن اور تیل لگایا جا سکتا ہے مگر نا محرم خواتین کا چھونا حرام ہے لڑکے کو مہندی لگانا حرام ہے(۲۸) مایوں، مہندی وغیرہ میں لڑکے لڑکیوں کا ناچنا گانا حرام وناجائز ہے یہی وجوہات ہیں جس کی وجہ سے نکاح والا گھر بے برکت ہو جاتا ہے کثرت سے ایسے حرام کام کیے جاتے ہیں جو اللہ کی رحمت سے دوری کا باعث بن جاتے ہیں۔

عَنْ أَبِیْ أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ بَعَثَنِیْ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِیْنَ وَهُدًى لِّلْعَالَمِیْنَ وَأَمَرَنِیْ رَبِّیْ بِمَحَقِّ

**اَلْمَعَازِفِ وَالْمَزَامِیْرِ (۲۹)**

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا بے شک میرے رب نے مجھے تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر مبعوث فرمایا ہے اور مجھے تمام جہانوں کے لیے ہدایت بنا کر بھیجا ہے اور میرے رب نے مجھے ڈھول اور بانسری توڑنے کا حکم دیا ہے۔

شادی والے گھر میں شادی سے پہلے اس قدر آتش بازی ہوتی ہے کہ محلے والوں کا سکون ختم ہو جاتا ہے اس سے بے دریغ مال بھی ضائع ہوتا ہے، تضیع مال حرام اور اسراف ہے، (۳۰) اور غلطی سے کسی کو لگ جائے تو جانی نقصان ہو جاتا ہے۔

رسم ورواج کے جائز وناجائز ہونے کا تعین قرآن وسنت کے پیمانے سے کیا جائے گا، جو رسم قرآن وسنت سے متصادم ہیں وہ ناجائز وحرام ہیں، جو رسوم قرآن وسنت سے متصادم نہیں ہیں وہ جائز ہیں اور جو رسم ورواج قرآن سنت سے ثابت ہیں وہ مستحب ہیں اس کے کرنے پر ثواب بھی ہے، کچھ رسومات کو اختصار سے ذکر کیا ہے مگر یہ ایک مستقل موضوع ہے جس پر باقاعدہ کتاب لکھی جا سکتی ہے، رسم ورواج کے معاملے میں پاکستانی معاشرہ افراط وتفریط کا شکار ہے، وہ طبقہ جو رسم ورواج کے خلاف ہے وہ صحیح کو بھی غلط سمجھ کر ترک کر رہا ہے جب کہ دوسرا وہ طبقہ ہے جو ہر جائز وناجائز رسم کو جاری رکھے ہوئے ہے جو طبقہ تفریط کا شکار ہے وہ کثیر تعداد میں ہے، اصلاح دونوں طبقات کی ضروری ہے علم وآگہی وہ در ہے جو اعتدال کی راہ پر گامزن رکھتا ہے اور بھٹکنے سے محفوظ رکھتا ہے، ان مسائل کا حل ہمارے پاس اسلامی تعلیمات کی روشنی میں موجود ہے اور واضح اسلامی تصورِ نکاح عملی صورت میں موجود ہے، ایک مکمل ضابطۂ حیات کی موجودگی میں یہ حالتِ زار، ہمارے علم وعمل کی کمی کی وجہ سے ہے، اسلامی تعلیمات کو زندگی میں شامل کر کے اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہو کر ان مسائل کو ختم کیا جا سکتا ہے، نکاح وشادی کو تمام غیر اسلامی رسومات سے پاک کر کے عائلی زندگی بہت سادہ، آسان اور خوبصورت بنائی جا سکتی ہے اسی طرح مسلم معاشرے میں بسنے والے تمام مسلمان اپنے ہاں منعقد ہونے والی شادی ونکاح کے لئے اسلامی ترجیحات نکاح کا انتخاب کریں تو جہاں ایک طرف انہیں گھریلو اور عائلی زندگی میں سکون میسر ہوگا وہاں دوسری طرف ایک قابل رشک اور قابل تقلید معاشرہ اور ماحول بھی سامنے آ سکتا ہے۔

☆☆☆☆

# ﴿حوالہ جات﴾


(۱) القرآن الکریم، سورہ روم، آیت ۲۱

(۲) مجد الدین محمد بن یعقوب الفیر وزآبادی، القاموس المحیط، بیروت۔لبنان، دارلکتاب العربی، باب ح فصل ن، ص ۲۵۷

(۳) لویس معلوف، مترجم مولانا ابوالفضل عبدالحفیظ بلیاوی، المنجد عربی اردو، خزینۂ علم وادب، اردو بازار، لاہور، ص ۹۳۵

(۴) عبدالرحمٰن الجزیری، کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ، المکتبہ التجاریۃ الکبریٰ، دارالفکر، ۱۹۶۹ء، الجزءالرابع، ص ۱

(۵) محمد امجد علی اعظمی، بہارِ شریعت، کراچی، مکتبۃ المدینہ، ج دوم، حصہ ہفتم، ص ۷۔

(۶) ایضا، ص ۱۱ (۷) القرآن الکریم، سورہ نساء، آیت ۴

(۸) ملا نظام الدین وعلمائے ہند، الفتاوی الھندیۃ، دارالفکر، بیروت۔لبنان، کتاب النکاح، الباب الثالث فی بیان المحرمات، القسم الثانی، ج ۱، ص ۲۸۲

(۹) علامہ علاؤالدین محمد بن علی حصکفی، الدرالمختار، دارلمعرفتہ، بیروت۔لبنان، ۱۴۲۰ھ، کتاب انکاح، فصل فی المحرمات، ج ۴، ص ۱۲۲

(۱۰) مسلم بن حجاج قشیری، صحیح مسلم، بیروت۔لبنان، دارالکتب العربی، کتاب النکاح، باب تحریم الجمع فی النکاح، ص ۵۶۲، حدیث ۳۴۳۶

(۱۱) مسلم فیملی آرڈیننس ۱۹۶۱ دفعہ ۵ ذیلی دفعہ ۲

(۱۲) مسلم فیملی آرڈیننس ۱۹۶۱ دفعہ ۱۰ (۱۳) القرآن الکریم، سورہ نسا، آیت ۳۴

(۱۴) علامہ متقی بن حسام الدین ہندی برہان پوری، کنزالعمال، بیروت، دارالکتب العلمیہ، ۱۴۱۹ھ، کتاب النکاح، ج ۱۶، ص ۱۱۶، حدیث ۴۴۴۰۶

(۱۵) محمد امجد علی اعظمی، بہارِ شریعت، کراچی، مکتبۃ المدینہ، ج دوم، حصہ ہفتم، ص ۵، ۶

(۱۶) مسلم بن حجاج قشیری، صحیح مسلم، بیروت۔لبنان، دارالکتب العربی، کتاب النکاح، استحباب التزوج فی شوال، ص ۵۶۸، حدیث ۳۴۸۳

(۱۷) الامام الحافظ ابی عبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن علی ابن سنان النسائی، سنن النسائی، بیروت ۔ لبنان، دارالکتب العلمیہ، کتاب النکاح ص ۵۴۸، حدیث ۳۳۶۶

(۱۸) امام محمد غزالی، کیمیائے سعادت، اردو بازار، لاہور، شبیر برادرز، اصلِ دوم، باب ۳، ص ۲۴۱

(۱۹) الامام الحافظ ابی داؤد سلیمان بن الاشعث بن اسحاق الازدی السجستانی، سنن ابی داؤد، اردن، دارالاعلام، کتاب النکاح، باب ۲، ص ۳۲۹، حدیث ۲۰۴۷

(۲۰) الامام الحافظ ابی عبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن علی ابن سنان النسائی، سنن النسائی، بیروت ۔ لبنان، دارالکتب العلمیہ، کتاب النکاح ص ۵۲۷، حدیث ۳۲۳۲

(۲۱) الامام الحافظ ابی عبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن علی ابن سنان النسائی، سنن النسائی، بیروت ۔ لبنان، دارالکتب العلمیہ، کتاب النکاح ص ۵۲۷، حدیث ۳۲۲۹

(۲۲) ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب العمری التبریزی، مرأۃ المناجیح شرح مشکوۃ المصابیح، مترجم احمد یارخان نعیمی، مفتی، لاہور، اردو بازار، قادری پبلیشرز، ج ۵، کتاب النکاح فصل ۲، ص ۲۳

(۲۳) محمد بن اسماعیل، ابی عبداللہ، صحیح بخاری، دار طوق النجاہ، کتاب بداء الخلق، باب فی النجوم، ج ۴، ص ۱۰۷

(۲۴) امام احمد رضا خان، فتاوی رضویہ، لاہور، رضا فاؤنڈیشن، ج ۲۲، ص ۲۴۵

(۲۵) محمد انس رضا عطاری، رسم و رواج کی شرعی حیثیت، لاہور، مکتبہ فیضانِ شریعت، باب ۲، فصل چہارم، ص ۱۸۶

(۲۶) لویس معلوف، مترجم مولانا ابوالفضل عبدالحفیظ بلیاوی، المنجد عربی اردو، خزینۂ علم و ادب، اردو بازار، لاہور، ص ۱۲۶

(۲۷) عابدہ علی، پروفیسر، عورت قرآن وسنت اور تاریخ کے آئینے میں، لاہور، سمن آباد، قرآن منزل، باب چہارم، ص ۴۶۴

(۲۸) احمد یارخان نعیمی، اسلامی زندگی، قادری پبلیشرز، ص ۲۶

(۲۹) ولی الدین محمد بن عبداللہ، مشکوۃ شریف، بیروت، المکتب الاسلامی، کتاب الحدود، باب بیان الخمر وعیدشاربھا، ج ۲، الفصل الاول، ص ۳۳۲

(۳۰) وزیر احمد، تھل کی رسومات ونظریات اور اوہام کی شرعی حیثیت، ماہی والا، جمال چھپری، چوبارہ، ضلع لیہ، جامعہ ضیائے مدینہ، باب ا ص ۳۸

❀……❀……❀

Majallah Tahqiq
Research Journal of
the Faculty of Oriental Learning
Vol: 35, Sr.No.94, 2014, pp 43 - 52

مجلّہ تحقیق
مجلّہ کلیہ علوم شرقیہ
جلد۳۵،جنوری۔مارچ۲۰۱۴ء،شمارہ۹۴

# بابائے پنجابی کے ادبی سفر

محمد جنید اکرم☆

**Abstract:**

Dr. Faqeer Muhammad Faqeer is a well known literary figure in the twentieth century of Punjabi lang uage & literature. His services to the mother language can't be denied. From some sources it has come to know that for research purpose, promotion of Punjabi and in order to participate in literary activities he happened to visit a number of places all over the India, before and after the partition. In this article, the details of such a journeys are given.

بابائے پنجابی ڈاکٹر فقیر محمد فقیرؒ (5 جون1900ء --- 11 ستمبر1974ء) بیسویں صدی میں پنجابی زبان کے سر برآوردہ شاعر، ادیب، محقق، نقاد، مؤرخ، صحافی اور سیوک ہوئے ہیں۔آپ کی اَن گنت علمی ادبی اور صحافتی خدمات .کے پیش نظر ملک بھر کے علمی ، ادبی اور ثقافتی حلقوں اور اداروں کی جانب سے آپ کو''بابائے پنجابی'' کے قابل احترام خطاب سے نوازا گیا۔گذشتہ برس مارچ 2013ء میں پنجاب یونی ورسٹی لاہور کے محترم وائس چانسلر نے آپ کی علمی ادبی خدمات کے پیش نظر شعبہء پنجابی میں''ڈاکٹر فقیر محمد فقیر ریسرچ چیئر'' قائم کرنے کا اعلان کیا اور (الحمدُ للہ) راقم الحروف کو بحیثیت ریسرچ اسکالر اس مؤقر چیئر پر کام کرنے کا اعزاز بخشا۔علاوہ ازیں ہائر ایجوکیشن کمیشن نے مارچ2014ء میں آپ کی علمی، ادبی، صحافتی اور ثقافتی خدمات کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے وزیر اعلیٰ پنجاب کی سفارش پر گورنمنٹ ڈگری کالج برائے طلباء پیپلز کالونی، گوجرانوالہ کا نام''گورنمنٹ فقیر محمد فقیر ڈگری کالج'' کرنے کا نوٹی فی کیشن جاری کر دیا ہے۔

☆ ریسرچ اسکالر، ڈاکٹر فقیر محمد فقیر ریسرچ چیئر، شعبہ پنجابی، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

ایک پرانی کہاوت ہے کہ سفر وسیلۂ ظفر ہوتا ہے۔ ہم اگر زمانہ ٔ ماضی میں گذرنے والے عظیم دانشوروں، علماء، صوفیاء اور فقراء کی زندگیوں کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ حصول علم کے لیے نِت نئی کتابوں کی تلاش کے ساتھ ساتھ بڑے لوگوں کی صحبت اور مجالس اختیار کرنے کے لیے دُور دراز کے سفر بھی کثرت سے کیا کرتے تھے۔ حالانکہ زمانۂ قدیم میں سفر انتہائی مشکل اور کٹھن ہوتا تھا۔ بابائے پنجابی حضرت فقیر محمد فقیرؔ، ڈاکٹر، روحانی طور پر سلسلۂ قادریہ سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ نے جس دَور میں شعور کی آنکھ کھولی وہ زمانہ ہندوستان میں انگریزوں کے ناجائز قبضے اور لُوٹ مار کا دَور تھا۔ لڑکپن کی عمر ہی سے آپ کے فکر و شعور میں انگریز کی غلامی سے نفرت اور تحریکِ آزادیٔ ہند کے لیے شب و روز جستجو کرتے رہنے کا ایک جنون پیدا ہو چکا تھا جس کی نمایاں جھلک آپ کی شاعری میں جا بجا نظر آتی ہے۔

آپ نے زبانِ زدِ عام یہ ضرب المثل بھی سُن رکھی ہوگی ''لاہور، لاہور ہی ہے''۔ محسوس ہوتا ہے کہ لاہور شہر کی یہ کیفیت زمانۂ قدیم ہی سے چلی آ رہی ہے۔ لاہور، اپنے قرب و جوار ہی میں نہیں بلکہ دُور دراز کے چھوٹے بڑے شہروں کے رہنے والوں کی بھی ہمیشہ ہی ضرورت رہا ہے۔ بِالخصوص علم و ادب، سائینس اور ٹیکنالوجی کے میدانوں کے طلباء کے لیے تو لاہور شہر بہترین درس گاہ اور تجربہ گاہ ہے۔ قدیم الایام ہی سے طلباء اپنے علمی شعور کی پختگی کے لیے ''لاہوری مکتبۂ فکر'' کا رُخ کرتے رہے ہیں۔

اِن ہی تشنگانِ علم و ادب میں حضرت بابائے پنجابی ڈاکٹر فقیر محمد فقیرؒ کا نامِ نامی بھی شامل ہے۔ بابائے پنجابیؒ گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے اور یہیں مدفون ہیں۔ آپ کا قدیم آبائی شہر جموں کشمیر کا ایک قصبہ راول پور ہے (۱) اور بعد از ہجرت آپ کے آباء پنجاب کے وسطی شہر گوجرانوالہ میں آباد ہوئے۔ آپ کو اپنی قدیم اور جدید، دونوں نسبتوں سے بہت پیار تھا جس کا اظہار جا بجا آپ کی شاعری میں بھی ملتا ہے۔

1925ء کے قریب جب اپنے ہومیو پیتھک مطب کو ختم کر کے آپ نے ٹھیکیداری کے کام کا آغاز کیا تو اُس کا مرکزی دفتر ''پاک تعمیرات'' کے نام سے لاہور ہی میں 2، ہسپتال روڈ پر بنایا گیا۔ اپنی کاروباری اور علمی ادبی سرگرمیوں کے فروغ کے لیے آپ باقاعدگی سے گوجرانوالہ سے لاہور تک بذریعہ ٹرین سالہا سال سفر کرتے رہے۔ حالانکہ انہی ایام میں آپ نے اپنی ذاتی گاڑی

بھی رکھی ہوئی تھی مگر اُسے اکثر لاہور ہی میں پارک کر کے بذریعہ ٹرین ہی گوجرانوالہ آنا جانا رہتا تھا۔ پنجابی زبان سے آپ کے عشق ومحبت کے ضمن میں معروف پنجابی شاعر اور دانشور پروفیسر خوشی محمد شارب اکثر فرمایا کرتے تھے کہ :

''بابائے پنجابی اپنی ذاتی گاڑی پر بیٹھ کر گوجرانوالہ سے لاہور آئے اور جدوجہد سے بھر پور اپنی تحریکی زندگی میں سب کچھ اپنی منزل کے حصول پر قربان کر کے ٹرین پر سوار ہو کر واپس گوجرانوالہ کو لوٹ گئے''(۲)

بھاگ دوڑ کی اس زندگی میں پیش آنے والے حالات و واقعات کو ایک تخلیق کار ہوتے ہوئے کبھی نثری اور کبھی شعری انداز میں بیان کرنے کا سلیقہ بھی اُنہیں خوب آتا تھا۔ ایک روز لاہور سے گوجرانوالہ جا رہے تھے تو ایک واقعہ پیش آیا جسے ایک خوبصورت نظم کے روپ میں پیش کیا ہے جس سے اُن کی قوت مشاہدہ کے ساتھ ساتھ اُن کے انسانی مساوات کے بارے میں نظریات کی بھی خوب ترجمانی ہوتی ہے۔ نظم کا عنوان ہے ''کھوہ دا پانی''۔ 1925 کے زمانے میں لکھی یہ نظم ملاحظہ فرمایئے۔

اُڈ بُلبُل جوہوں جاندی اے، جیوں باگے باغ وکھالے نوں
اِک دِن لاہوروں آوَندا ساں پیا پرتی گوجرانوالے نوں
ہر بوگی دوجی بوگی نوں پولی جہی مار دھکیل کھلی
چل ایمن آبادوں ٹھیری دے اسٹیشن تے جا ریل کھلی
اِک بھگت پریمی ڈِٹھا مَیں، جایا کوئی سُگھڑ سیانی دا
سجے ہتھ اوہدے گڑوی سی، کھبے ہتھ ڈولا پانی دا
آکھے تریہایا جاسی اوہ، کرماں دا جھڑا ہینا ایں
اج واہوا ٹھنڈا پانی ایں، آوَ پی لوَ جس نے پینا ایں
سِر کڈھ زنانے ڈبے تھیں بولی مورکھ مُنھ زور کوئی
ایہہ پانی ہندو پانی ایں، یا ہے ای ویرا ہور کوئی
اکو کھوہ، اِکو ٹوٹی اے، نال اکو اکو نلکا اے
اِک ٹوٹی تھیں دُونہہ پانیاں دا کیوں پیندا تینوں جھلکا اے
جاتی دے وَیر وروہداں دا نہ گندی جوہ دا پانی ایں

نہ ہندو دا، نہ مسلم دا، ایہہ بی بی کھوہ دا پانی ایں
ہولی جہی کہیا فقیر اوہنے نہ ہیچ بدی دا بی، بی بی
بھر گڑوی آکھے پانی ایں لے پینا ای تے پی بی بی(۳)

اپنے ایک مطبوعہ، نشری انٹرویو میں بابائے پنجابی لاہور سے گوجرانوالہ کے سفر کا ایک اور واقعہ اِس طرح سناتے ہیں: (اُردو ترجمہ)

''تقسیم ہند سے پہلے کا واقعہ ہے کہ میں اپنی بیگم کے ہمراہ لاہور سے گوجرانوالہ بذریعہ ٹرین جانے کے لیے ایک کمپارٹمنٹ میں بیٹھ گیا جس پر لکھا تھا'' For Englo indian and Europeon ''۔ٹکٹ میرے پاس موجود تھا۔ راہیم نامی آخری انگریز اسٹیشن ماسٹر تھا۔ مسٹر راہیم آکر مجھے کہنے لگا کہ یہ اینگلو انڈین اور یورپین کا کمپارٹمنٹ ہے آپ یہاں سے اُتر جاؤ۔ میں نے اُترنے سے انکار کیا اوراسی اثنا میں مولانا ظفر علی خان کے صاحبزادے اختر علی خان بھی اپنی بیگم کے ہمراہ وہاں آ گئے اوراسی کمپارٹمنٹ میں بیٹھ گئے۔ وہاں اور لوگ بھی جمع ہو گئے۔ انگریز اسٹیشن ماسٹر نے دیکھا کہ اب یہ دو ہو گئے ہیں۔ دراصل وہ یہ سب کچھ ایک بچی کو بٹھانے کے لیے کر رہا تھا اور وہ بچی بھی ہمارے علاقے کی تھی۔ ہم نے کہا کہ یہ ہماری بچی ہے اور ہمارے ساتھ ہی بیٹھ کر جائے گی۔ وہ بچی بھی مسکرا کر ہمارے ساتھ بیٹھ گئی۔ بات ختم ہو گئی مگر لوگ اللہ اکبر کے نعرے لگانے لگے۔''(۴)

آپ کی اِس طرح کے واقعات سے بھرپور روزمرہ کی تحریکی اور جدوجہد سے بھرپور زندگی میں اُن کے شب و روز کا مطالعہ کرنے سے اُن کی فکری اور نظریاتی سوچ میں انسانی مساوات کا گہرا رنگ نظر آتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی صبح گوجرانوالہ اپنے فقیر خانے پر یا شہر کی کسی مجلس میں گذر رہی ہے تو دوپہر لاہور میں مولانا عبدالمجید سالک کے ہاں ضروری صلاح مشورے ہو رہے ہیں، اگلے دِن گجرات پیر فضل گجراتی سے پنجابی کی ترقی کے لیے کوئی ضروری مشورہ کرنے کو گئے ہوئے ہیں تو اُس سے اگلے روز اسلام آباد میں الطاف گوہر اور ممتاز حسن کے دفتر میں ''پنجابی ادبی اکادمی'' کے کسی مسئلے یا کسی عزیز دوست کی کسی مشکل کو حل کروانے کی خاطر پہنچے ہوئے ہیں۔ یہ زندگی کی وہ بھاگ

دوڑ ہے جو زبانی روایات کی صورت میں اُن کے بعض ہم عصر دوستوں سے وقتاً فوقتاً میں سُنتا رہا ہوں جو کہ میری یادداشتوں میں محفوظ ہے اور میں گاہ بگاہ اُن کا تذکرہ اپنی تحریروں میں کرتا رہتا ہوں۔ زیر نظر مضمون میں صرف اُن چند سفروں کا ذکر کیا جا رہا ہے جو اپنے عزیز و اقارب کے نام لکھے چند دستیاب خطوط میں سے معلوم ہو سکے یا حضرت بابائے پنجابی کے ذاتی پاسپورٹ کی روشنی میں معلوم ہوئے ہیں۔ پنجاب مسلم ہوٹل امیرا کدل، سری نگر سے 3 اگست 1935 کو ایک خط اپنے لڑکپن کی عمر کے گہرے اور عزیز دوست میاں احمد دین لوراں کو لکھتے ہیں :

''بندہ بخیریت تمام سری نگر پہنچ گیا ہے'' (۵)

26 ستمبر 1935 ء کو اپنی رہائش گاہ محلّہ تکیہ معصوم شاہ، گوجرانوالہ سے اپنے اُنہی عزیز دوست میاں احمد دین لوراں کے نام ایک اور خط میں لکھتے ہیں :

''میں گذشتہ ہفتہ کے روز دہلی ایک کام کی غرض سے گیا۔ راستے ہی میں بخار ہو گیا جو کہ روہتک اسٹیشن تک بہت ہی زیادہ ہو گیا لہٰذا میں روہتک ہی اُتر گیا اور وہاں سے پھر بذریعہ موٹر دہلی پہنچا۔ ایک دن وہاں ٹھہر کر واپس لاہور چلا آیا۔ کل حضرت بخار صاحبؒ ختم ہوئے، کل ہی گوجرانوالہ چلا آیا۔ اب اِن شآء اللہ اتوار تک یہیں رہوں گا'' (۶)

24 جون 1935ء کو بھی میاں احمد دین لوراں کے نام لکھا ایک خط میرے سامنے ہے لکھتے ہیں:

''بھائی جان! میں تقریباً 14/15 دِن لاہور سے غیر حاضر رہا یعنی (۱۱ جون) کو کلئیر شریف سے ہوتا ہوا لکھنؤ پہنچا 13/6 کو لکھنؤ سے کانپور گیا اور وہاں دو یوم قیام کرنے کے بعد الہ آباد چلا آیا۔ جس روز وہاں سے واپس آیا اُس روز آپ کا ملفوف گرامی ملا۔ چاہتا تھا کہ اُسی وقت جواب دوں مگر افسوس کہ اُسی وقت انبالے جانا پڑا۔ چنانچہ اسٹیشن پر روانہ ہوا اور بذریعہ پنجاب میل انبالہ کا رُخ کیا۔ یہ تمام چکر کسی غیر کی خاطر تھا لہٰذا سعی تھی کہ اپنے کو بعد میں جواب دے دیا جائے گا'' (۷)

قیام پاکستان کے بعد اپنے دیس میں اُن کی مادری زبان کے ساتھ اُس کے بولنے والوں نے جو سلُوک روا رکھا اُس کے خلاف اعلانِ جنگ کرنے والی اولین آواز جس نے پنجابی زبان کے

مخالفوں کو ناکوں چنے چبوا دیئے وہ بابائے پنجابی ڈاکٹر فقیر محمد فقیر ہی کی تھی۔ ستمبر 1951ء میں جب آپ نے لاہور سے ماہوار رسالہ ''پنجابی'' شروع کیا تو اسے باقاعدگی سے شائع کرتے رہنے اور زندہ رکھنے کے لیے آپ کو تن تنہا دامے، درمے، قلمے اور سخنے محنت کرنا پڑی۔ جدوجہد کے اِس دَور میں آپ کی کراچی سے پشاور تک کی بھاگ دوڑ آئے روز کا معمول تھی۔ فروری 1952ء کے شمارے ماہوار ''پنجابی'' کا اداریہ بعنوان ''کاتب دی غلطی'' میں رقمطراز ہیں: (اُردو ترجمہ)

> ''جنوری (1952ء) کی سترہ تاریخ کو مجھے پنجابی کے فروغ کی تحریک کے سلسلے میں کچھ دنوں کے لیے کراچی جانا پڑا۔۔۔۔ کراچی پہنچ کر وہی ہوا جس کا مجھے پہلے سے خوف تھا۔ یعنی وہاں میرے چار دن زیادہ بسر ہو گئے۔ آخر میں دس فروری (1952) کو لاہور واپس لوٹا۔'' (۸)

تقسیمِ ہند سے پہلے تو ہندوستان بھر میں بابا جی کا آنا جانا علمی ادبی سرگرمیوں کے سلسلے میں اکثر ہوتا رہتا تھا مگر قیام پاکستان کے بعد کیونکہ ویزا وغیرہ لگوانے کی مشقت اور دگرگوں سیاسی حالات کی وجوہات ایسی تھیں کہ اُن جیسی معروف علمی ادبی اور سیاسی شخصیات کا ہندوستان کی سمت آتے جاتے رہنا شر پسند لوگوں کو کئی شرارتیں کرنے کے مواقع فراہم کرنے کے مترادف ہوتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اُنہوں نے قیامِ پاکستان کے بعد اپنا پاسپورٹ بنوایا اور 1955-56 کے دو سالوں میں ہندوستان کے کئی ایک سفر کیے جن کی تفصیل مندرجہ ذیل سطور میں بیان کی جاتی ہے۔

بتیس صفحات پر مشتمل خستہ حالت میں موجود اِس پاسپورٹ کی جلد گتے کی ہے۔ ٹائیٹل کی جلد سمیت تمام صفحات دائیں کونے کی جانب سے آخر میں پھٹے ہوئے ہیں۔ مگر اہم مطلوبہ معلومات بہ آسانی پڑھی جا سکتی ہیں۔ گتے کی جلد کے اندرونی صفحہ پر حکومت پاکستان کی گول مُہر لگی ہے اور پاسپورٹ بننے کی تاریخ 5 جنوری 1955ء درج ہے۔ صفحہ نمبر 1 کے آغاز میں بائیں کونے پر اُردو اور انگریزی میں ''یہ پاسپورٹ 32 صفحات پر مشتمل ہے'' لکھا ہے۔ اُس کے ساتھ نیچے موٹے لفظوں میں اُردو اور انگریزی میں لفظ ''پاسپورٹ'' اور ''پاکستان'' لکھا ہے۔ اگلے کالم میں پاسپورٹ کا نمبر 258912 درج ہے۔ اگلے کالم میں حامل کا نام ''ڈاکٹر فقیر محمد فقیر'' لکھا ہوا ہے۔

صفحہ نمبر 2 پر عنوان ''تصریحات'' اور انگریزی میں Description درج ہے۔ پہلے کالم میں پیشہ govt.contractor لکھا ہے۔ مقام و تاریخ پیدائش کے کالم میں، لاہور 1900ء لکھا ہے

جبکہ آپ کا درست مقام پیدائش گوجرانوالہ ہے۔قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اُس زمانے میں گوجرانوالہ میں ابھی پاسپورٹ آفس قائم نہیں ہُوا تھا اور پاسپورٹ صرف لاہور ہی سے جاری ہوتا ہوگا لہٰذا لاہور کا ایڈریس لکھوانا پڑا ہوگا۔اگلے کالم میں متوطن، پاکستانی لکھاہُوا ہے۔اِس سے اگلے خانے میں، قد، پانچ فُٹ آٹھ اِنچ اور بعدازاں ''آنکھوں کا رنگ، بلیک یعنی کالا'' اِس کے بعد کے کالم میں ''بالوں کا رنگ'' اورآخر میں ''نمایاں امتیازی نشانات'' کے خانے میں ''گردن پر تِل'' لکھا ہُوا ہے۔ Mixd

صفحہ نمبر 3 ''حامل کی تصویر'' اور صفحہ نمبر 4 پر موٹے لفظوں میں ''وہ ممالک جن کے لیے پاسپورٹ کارآمد ہے'' یہاں صرف ''پاکستان اور اِنڈیا'' لکھا ہے۔گویا یہ پاسپورٹ صرف دو ممالک بلکہ یوں کہیے کہ پاکستان سے باہر صرف ایک ہی ملک ''اِنڈیا'' میں جانے کے لیے بنا تھا۔اسی صفحے پر موٹے لفظوں میں ''یہ پاسپورٹ تاریخ مندرجہ کے بعد کارآمد نہیں ہوگا'' لکھا ہے اور تاریخ 4 جنوری 1960 لکھی ہے۔صفحہ نمبر 5 پر لاہور میں رہائش کا ایڈریس اور والد کا نام ''محمد لال دین (مرحوم)'' لکھا ہے۔

صفحہ نمبر 6 خالی اور صفحہ نمبر 7 پر اِنڈیا کا پہلا ویزا لگا ہے۔جس کی تفصیل اِس طرح ہے۔ یہ ویزا صرف شہر ''فیروز والہ'' کا ہے جو کہ 6/1/1955 کو لاہور میں لگایا گیا ہے۔ویزا نمبر 40 - C اور ویزا لگانے کی فیس ایک روپیہ درج ہے۔اِس ویزا کے ختم ہونے کی تاریخ 5/4/1955 ہے۔ صفحہ نمبر 8 پر 7/1/1955 کی تاریخ میں ایک مُہر لگی ہے جس میں یہ الفاظ لکھے ہیں Left Pakistan,Via Jallo۔اِس کے نیچے دوسری مُہر بھارت میں داخلے کی لگی جس میں لِکھا ہے ENTRY, ATTARI RAIL immigration Chek post۔ اِس مُہر کے نیچے 7/1/1955 کی تاریخ لکھی ہے۔اِسی صفحہ کے آخر میں تھانہ فیروز پور کی کارروائی درج ہے۔تھانہ فیروز پور کی رپٹ نمبر 9 کے مطابق 9/1/1955 کو اس تھانہ میں داخلہ ہوا ہے۔صفحہ نمبر 9 انگریزی میں ایک سرکاری تحریر لکھی ہے جس کے مطابق ''ڈاکٹر فقیر محمد فقیر کو ڈپٹی کمشنر فیروز پور کے آفس سے چند دوسرے شہروں کے ویزے جاری کیے جا رہے ہیں۔'' اس تحریر کے آخر میں 9/1/1955 تاریخ درج ہے۔صفحہ نمبر 10 پر 11/1/55 کی تاریخ میں ڈپٹی کمشنر فیروز پور کے دفتر کی مُہر نمبر 6 لگی ہوئی ہے جس میں چندی گڑھ، لُدھیانہ، جالندھر، ہُشیار پور اور امرتسر کے شہروں کے ویزے لگائے گئے ہیں۔اِس ویزا مُہر کے مطابق اِن شہروں کے سفر کرنے کا دورانیہ 11 جنوری سے 25 جنوری 1955

ء ہے مگر بابائے پنجابی کے اِس پاسپورٹ کے صفحہ نمبر 11 پر لگی مُہر اور قلمی دفتری کارروائی کے مطابق آپ 18/1/1955 کو بمطابق انٹری نمبر 580 براستہ اٹاری روڈ پاکستان واپس تشریف لے آئے تھے۔ گویا قیام پاکستان کے بعد یہ آپ کا ہندوستان کا پہلا سفر تھا جو بارہ دنوں پر مشتمل تھا۔

پاسپورٹ کے صفحہ نمبر 12 پر پاکستان چھوڑنے اور اِنڈیا میں داخل ہونے کی مُہریں لگی ہیں۔ پہلی مُہر 30/12/1955 کو LEFT PAKISTAN اور دوسری مُہر بھی 30/12/1955 ہی کو ہندوستان میں ENTRY کی ہے۔ یہ بابائے پنجابی کا قیام پاکستان کے بعد ہندوستان کا دوسرا سفر ہے جو خاصا طویل ہے۔ صفحہ نمبر 13 پر 28 دسمبر 1955 کو لگی ہوئی ویزا مُہر کے مطابق اِس ویزا کا نمبر 85458 - C اور ویزا لگانے کی فیس ایک روپیہ درج ہے۔ اِس کی اختتامی تاریخ 27/3/1956 ہے۔

اور اس ویزا میں امرتسر، جالندھر، لُدھیانہ، دہلی اور بمبئے کے ویزے لگے ہوئے ہیں۔ اِس سے اگلے صفحہ نمبر 14 پر انڈر سیکریٹری (ہوم) حکومت پٹیالہ کے دفتر کی ویزا مُہر ہے جو اِسی سفر کے دوران میں لگوائی گئی ہے۔ یہ مُہر 25 جنوری 1956 کو پٹیالہ، مانسہ اور سہارنپور میں داخلے کے لیے لگوائی گئی ہے۔ اس مُہر کے مطابق ان شہروں میں سفر کرنے کا دورانیہ

24 جنوری سے 27 مارچ 1956ء ہے۔ اِس دوسرے سفرِ ہندوستان سے بابائے پنجابی ڈاکٹر فقیر محمد فقیرؒ براستہ واہگہ 3 فروری 1956 کو پاکستان واپس تشریف لے آئے۔ گویا آپ کا یہ دوسرا ہندیاترا کا سفر ایک ماہ اور پانچ ایام پر مشتمل ہے۔

تیسرا ویزا صفحہ نمبر 17 پر 29/3/1956 کو لگا ہے جس کی مدت سفر 28/6/1956 تک ہے۔ اِس ویزا کا نمبر 46454 - C ہے اور ویزا لگانے کی فیس ایک روپیہ درج ہے۔ اِس ویزا پر امرتسر، جالندھر، پٹیالہ اور دہلی شہروں کے سفر کی آپ کو اجازت دی گئی ہے۔ اسی صفحے کے آخر میں 30 مارچ 1956 کی تاریخ میں پاکستان چھوڑنے کی مُہر لگی ہے۔ صفحہ نمبر 18 کی مُہر کے مطابق آپ 18، اپریل 1956ء کو امرتسر اور دوسرے شہروں کے سفر سے واپس اپنے وطن تشریف لے آئے۔ اِس طرح یہ سفر بیس دنوں پر مشتمل ہے۔

اِس پاسپورٹ کے صفحہ نمبر 20 پر 23/4/56 کی مُہر لگی ہے جس کے مطابق پاکستان سے انڈیا کی جانب روانہ ہو گئے ہیں اور صفحہ نمبر 21 پر لگی مُہر کے مطابق 25/4/56 کو براستہ واہگہ

پاکستان واپسی ہوگئی ہے۔ بعدازاں صفحہ نمبر 23 پر 23/4/56 کی تاریخ میں ایک ویزا نمبر C 54497 لگا ہے جس میں امرتسر، جالندھر، پٹیالہ اور دہلی کے سفر کی اجازت دی گئی ہے۔ اِس کے بعد کے صفحات خالی ہیں۔معلوم ہوتا ہے کہ اِس کے بعد آپ نے غیر مُلکی کوئی سفر نہیں کیا۔(۹)

گوجرانوالہ کے معروف معالج ڈاکٹر اصغر علی چوہدری بابائے پنجابی کے نہایت معتقد، بچوں کی طرح لاڈلے اور طویل مدت تک آپ کے معالج خاص رہے ہیں۔اُنہوں نے ایک انٹرویو میں بتایا کہ:

قدرت اللہ شہاب کے پاس کسی عزیز دوست کا کوئی کام تھا۔شہاب صاحب اُن دنوں صدر ایوب خان کے پرنسپل سیکرٹری تھے۔ہم لوگ بابا جی کو ساتھ لے کر اسلام آباد چلے گئے۔اُن کے دفتر پہنچے تو آنے کا مدعا بیان کیا۔شہاب صاحب مصروف تھے اُنہوں نے بات سُنی اور کام کر دینے کا وعدہ بھی کیا مگر بابا جی اُن کے جواب سے مطمعن نہ ہوئے اور اُن کے میز سے کاغذ کا ایک ٹکڑا پکڑ کر چندسطریں لکھیں جو اس طرح تھیں:

بکار کسے نمی آئی
با کنارِ کسے نمی آئی
از مبرای تو چوں تواں مردن
بہ مزارِ کسے نمی آئی

یہ کاغذ کا ٹکڑا وہاں رکھا اور اُٹھ کر باہر آ گئے۔قدرت اللہ شہاب نے وہ کاغذ دیکھا اور بھاگتے ہوئے ڈاکٹر صاحب کے پیچھے آئے اور کہنے لگے ''بابا جی آپ ناراض کیوں ہو گئے میں کسی ضروری کام میں اُلجھا ہوا تھا آپ تشریف لائیں پہلے آپ کا کام کرتا ہوں۔ بابا جی جواباً فرمانے لگے'' تم جب سے یہاں بیٹھے ہو شہاب کی بجائے شہابیے ہو گئے ہو''۔(۱۰)

لڑکپن کی عمر میں گوجرانوالہ سے شروع ہونے والا زندگی کی جدوجہد کا یہ سفر، سفر در سفر کی صورت اختیار کرتا چلا گیا اور آخر کار بڑھاپے میں گوجرانوالہ واپس پہنچ کر اُس وقت ختم ہوا جب آپ عمر بھر کی تھکن اُتارنے کی خاطر اپنے شہر کی پاک دھرتی میں مٹی کی چادر اوڑھ کر ہمیشہ کے لیے آرام فرمانے لگے۔

☆☆☆☆

## حوالہ جات


۱۔ کچی منڈیر پر ایک چراغ، محمد جنید اکرم، صفحہ 181، بزمِ فقیر پاکستان، اگست 2011

۲۔ پروفیسر خوشی محمد شارب سے میری ذاتی ملاقاتوں میں ہونے والی گفتگو

۳۔ کلامِ فقیر (چوتھی جلد) زیرِ ترتیب، ڈاکٹر فقیر محمد فقیر

۴۔ تماہی ''پنجابی'' لاہور، بابائے پنجابی نمبر، جولائی 2000 ء سے مارچ 2001 ء ڈاکٹر فقیر دا نشری انٹرویو، صفحہ 30

۵۔ تماہی ''پنجابی'' لاہور، بابائے پنجابی نمبر، جولائی 2000 ء سے مارچ 2001 ء، بابائے پنجابی دے کجھ یادگار خط، صفحہ 382 - 381

۶۔ تماہی ''پنجابی'' لاہور، بابائے پنجابی نمبر، جولائی 2000 ء سے مارچ 2001 ء، بابائے پنجابی دے کجھ یادگار خط، صفحہ-383

۷۔ تماہی ''پنجابی'' لاہور، بابائے پنجابی نمبر، جولائی 2000 ء سے مارچ 2001 ء، بابائے پنجابی دے کجھ یادگار خط، صفحہ-384

۸۔ ماہوار پنجابی لاہور، جنوری/ فروری 1952 ء، کاتب دی غلطی، اداریہ، ڈاکٹر فقیر محمد فقیر، صفحہ 30

۹۔ ذیل میں ڈاکٹر فقیر محمد فقیر کے ذاتی پاسپورٹ کے مطلوبہ صفحات کے عکس دیئے جا رہے ہیں۔

۱۰۔ تماہی ''پنجابی'' لاہور، بابائے پنجابی نمبر، جولائی 2000 ء سے مارچ 2001 ء، ڈاکٹر اصغر علی چوہدری تے ڈاکٹر فقیر محمد فقیر (انٹرویو) محمد جنید اکرم، ص133

Majallah Tahqiq
Research Journal of
the Faculty of Oriental Learning
Vol: 35, Sr.No.94, 2014 pp 53 - 58

مجلّہ تحقیق
مجلّہ کلیہ علوم شرقیہ
جلد ۳۵، جنوری۔ مارچ ۲۰۱۴ء، شمارہ ۹۴

# کشمیر۔۔۔تہذیبی وثقافتی پس منظر

ڈاکٹر سردار اصغر اقبال☆

**Abstract:**

Kashmir is an ancient land with great historical background. It has been the hub of eastern culture and civilization. Kashmiri people accepted Islam in early age and it flourished to a great deal during Muslim Mughal period. In this article the background of Kashmiri culture and civilization has been discussed in detail. The author has given some historical evidences to prove his theory.

Key words: Kashmir, Culture, Civilization, History, Analysis.

کسی خاص خطہ زمین میں بسنے والے لوگوں کے رہن سہن، طرز و بود و باش اور زندگی کے مختلف پہلوؤں سے متعلق عمومی رویوں کو اس معاشرے کی تہذیب وثقافت کہا جاتا ہے۔ تہذیبی اقدار جو کسی علاقے میں انسانی معاشرہ کی ابتداء کے ساتھ ہی جنم لیتی ہیں، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ پروان چڑھتی ہیں۔ اور اس علاقے میں جہاں سے ان اقدار کی ابتداء ہوئی ہے کے ساتھ یوں پیوست ہو جاتی ہیں کہ دونوں کا ایک دوسرے سے الگ ہونا تقریباً ناممکن ہوتا ہے۔

---

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ کشمیریات، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

تہذیب اور ثقافت ایک ہمہ گیر موضوع ہے جو زندگی گزارنے کے عام اصولوں اور روزمرہ کے معمولات سے لیکر مخصوص فلسفہ حیات تک کا نچوڑ بھی ہے اور ان کے اظہار کا ذریعہ بھی گویا ثقافت کسی قوم کی فکری، روحانی اور جذباتی زندگی کے افکار اور اعمال کا نام ہے۔

مخصوص خطہ زمین اور اہل زمین کے ساتھ اٹوٹ پیوستگی کے باعث یوں کہا جا سکتا ہے کہ ثقافت اور معاشرت میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ان میں سے کسی ایک کی ترقی کا انحصار دوسرے کی ترقی پر ہے۔ جو ایک کی تنزلی بھی دوسرے کے زوال سے مشروط ہو جاتی ہے۔ایک صحت مند معاشرہ ہمیشہ مثبت تہذیبی اقدار کو جنم دیتا اور پروان چڑھاتا ہے۔ جب کہ زوال پذیر اور اخلاق باختہ معاشرے کا تہذیبی سرمایہ زوال اور انتشار ہی کی عکاسی کرتا ہے۔

تہذیب اور ثقافت کا مفہوم جاننے کے لیے جب ہم اہل فکر و نظر سے رجوع کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ تہذیب اور ثقافت دو علیحدہ علیحدہ اصطلاحات ہیں۔ثقافت کے لغوی معنی دانا یا عقل مند ہونا، علوم و فنون میں مہارت حاصل کرنا، کسی چیز کو تیزی سے سمجھ لینا اور اس میں مہارت حاصل کرنے کے ہیں۔

جب کہ عربی میں تہذیب کے معنی کسی درخت کو کاٹنا، تراشنا اور اس کی اصلاح کرنا یا سیدھا کرنا کے ہیں۔مجازی معنوں میں یہ لفظ شائستگی اور خوش اخلاقی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔اہل تصوف کے نزدیک تہذیب کے معنی پاک کرنا، آلائشیں دور کرنا اور اخلاقی صفات سے مزین کرنے کے ہیں۔

ڈاکٹر محمد صغیر خان اپنے مقالہ ''کشمیر کی جدوجہد آزادی اور اردو ادب'' میں لکھتے ہیں کہ ''تہذیب و ثقافت کی اصطلاحات کی تشریح کو یکجا کرتے ہوئے جو لفظ ان کا بھرپور احاطہ کرتا ہے وہ ''کلچر'' ہے جبکہ ایران میں ان اصطلاحات کے لیے'' آہنگ'' کی ترکیب استعمال کی جاتی ہے''۔(۱)

تہذیب و ثقافت کی وضاحت کرتے ہوئے فیض احمد فیض کہتے ہیں کہ ''بعض اوقات ہم کلچر سے روزمرہ رہن سہن اور طریقہ زندگی مراد لیتے ہیں بعض اوقات عقائد، دین و مذہب اور بعض اوقات فن اور ادب، لیکن یہ بات بہر طور مسلمہ ہے کہ فوری تہذیب کے تعین میں ان اجزاء کا باہمی

رشتہ ان کی اہمیت اور غیر اہمیت یا ان کی تقدیم اور تاخیر کچھ بھی قائم کر لیجیے۔انہیں ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔قومی تہذیب کو سمجھنے کے لیے ان کی مجموعی شکل وصورت ذہن میں رکھنا ضروری ہے''۔(۲)

مولانا مودودی کے خیال میں تہذیب جس چیز کا نام ہے اسکی تقوین پانچ عناصر سے ہوتی ہے۔

۱۔ دینوی زندگی کا تصور ۲۔ زندگی کا نصب العین

۳۔ سیاسی عقائد وافکار ۴۔ ترتیب افراد

۵۔ نظام اجتماعی۔

دنیا کی ہر تہذیب انہی پانچ عناصر سے بنی ہے۔''

آغا بابر کی نظر میں ہمارا کلچر کیا ہے؟ ہمارا کلچر سرسوں کا ساگ اور جوار کی روٹی ہے۔وہ کہتے ہیں جو چیز تہذیبی لحاظ سے مالک اور نوکروں کے درمیان موجود ہو جس سے دونوں کو محبت ہے جس کے دونوں طلبگار ہوں۔امیر اور غریب جس تہذیب میں پلے بڑھے ہوں وہی تہذیب کلچر کہلاتی ہے۔

## کشمیر میں تہذیب کا ارتقاء

تہذیب وثقافت کی جامع تعریف کی روشنی میں جب ہم جموں وکشمیر کے تہذیبی وثقافتی پس منظر کا جائزہ لیتے ہیں اور تاریخ پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ یہ علاقہ طویل ترین تاریخی پس منظر رکھتا ہے۔قدیم تاریخی ماخذ سے اگر چہ پانچ ہزار قبل مسیح سے اس علاقے میں انسانی آبادی کا آغاز اور اپنے دور کے حالات مطابق انسانی معاشرہ کی تشکیل ثابت ہوتی ہے۔(۳)۔(۴)

جہاں انسانی معاشرہ موجود ہو وہاں تہذیب وثقافت کا ہونا لازمی امر ہے لیکن یہ ماخذ قدیم عہد سے متعلق معلومات وحالات کی واضع تصویر بتانے سے قاصر ہیں وہاں اس دور کی تہذیب کے متعلق بھی انکا بیان صرف اتنا ہے کہ یہ وہ زمانہ تھا جب لوگ تہذیب سے بالکل نا آشنا وحشیانا زندگی بسر کرتے تھے۔(۵)

ایک دوسری جگہ اس دور کے تمدنی حالات کے متعلق یوں کہا گیا ہے۔اس دور کے تمدن

طریق معاشرت اور طرز معاشرت کی نسبت کوئی حالات معلوم نہیں ہو سکتے۔(۶) کشمیر کے ابتدائی دور کے معاشرتی حالات کے بارے میں ایک اور کشمیری مئورخ لکھتے ہیں کہ آریاء اس ملک میں آئے تو یہاں ان سے پہلے بھی کئی قومین آباد ہو چکی تھیں جن کے پاس کوئی تہذیب نہیں تھی۔(۷) یہ اس زمانے کی بات ہے جب کشمیر میں دریا دیو کی قوم بستی تھی جن کے بارے میں قرائین بتاتے ہیں کہ ان کے حالات آج کل کے وسط افریقہ کے باشندوں جیسی تھی۔ البتہ اتنا ضرور تھا کہ لوگ جو گروہوں کی شکل میں رہتے تھے۔ اپنے سردار کی اطاعت کا عمل سیکھ چکے تھے اور ان کے احکامات کی بجا آوری کو انتہائی اہمیت دیتے تھے۔ اس دور کے لوگوں کا گزارہ شکار پر ہوتا تھا۔ جبکہ سنگی اوزار اُن کے ہتھیار ہوتے تھے۔ جب طوفان نوح کے بعد کشپ رشی نے جھیل ستی سر کا پانی خشک کیا اور علاقے کو کشمیر کے موجودہ نام سے دوبارہ آباد کیا تو ابتداء میں بعض ہندو رشیوں اور سنیاسیوں نے اس خطہ زمین کے چند گوشوں کو آباد کیا۔ یہ لوگ عبات اور تپسیا میں مگن رہتے تھے۔ اس کی وجہ سے یہ کسی معاشرے کی بنیاد نہ ڈال سکے۔ اس کے بعد مذہبی عقائد کی تبلیغ و اشاعت کے لیے انہی لوگوں نے کشمیر میں آشرم، پاٹھ شالے اور عبادت گاہیں تعمیر کیں۔ اس طرح روحانیت اور علم و مذہب سے دلچسپی رکھنے والے لوگ کشمیر پہنچ گئے۔ طبعی طور پر ان طالبان علم و مذہب کی خدمت گزاری، دیکھ بھال اور دوسرے ضروری کاموں کے لیے کچھ اور لوگ بھی انکے ساتھ آنے لگے۔(۸)

اس طرح اس علاقے میں انسانی معاشرہ نئے سرے سے تشکیل پذیر ہوا اور موجودہ اقوام کا آغاز ہوا۔

معتدل موسمی حالات اور سازگار فضاء کے باعث جلد ہی کشمیر کی آبادی بڑھنے لگی۔ گاؤں آباد ہونے لگے۔ ضروریات زندگی کی تکمیل کے لیے کاشتکاری اور زرعت پہ دھیان دیا جانے لگا۔ اس دور میں پیداوار کا واحد ذریعہ زمین تھی۔(۹)

کشمیر میں تہذیبی اور تمدنی زندگی کو پہلے پہل جس تہذیب نے ابتدائی بنیادیں فراہم کیں ہیں وہ ایک غیر آریائی تہذیب تھی۔ جس کے آثار برزہ ہوم سے دریافت ہوئے ہیں۔ برزہ ہوم سری

نگر کی ایک نواحی بستی ہے۔ جو شہر سے شمال مشرق کی جانب ۲۴ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہاں سے ہی پہلے غیر آریائی تہذیب کے آثار ملے ہیں۔

شیراز کاشمیری اپنی مشہور تصنیف ''کشمیری قوم اور قومتیں'' میں لکھتے ہیں۔ کہ ماہرین آثار قدیمہ اس بات پر متفق ہیں کہ برزہ ہوم کی غیر آریائی تہذیب ہڑپہ اور منجھو دہڑو کی تہذیبوں سے پرانی تہذیب ہے۔(۱۰)

ہندوستان کے محکمہ آثار قدیمہ کی ابتدائی رپورٹ پہ تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر فیئر سروس لکھتے ہیں کہ برزہ ہوم سے قدیم آثار کی دریافت کے بعد ماہرین آثار قدیمہ اس بات پر سخت حیران ہیں کہ ماقبل تاریخ کے ایسے آثار شمالی ہندوستان کے دوسرے صوبوں سے کیوں نہیں مل سکے۔

ڈاکٹر والٹر فیئر سروس جنہیں ماقبل تاریخ کی تہذیبوں کے آثار قدیمہ کا ایک مستند تجربہ نگار سمجھا جاتا ہے وہ کئی ایک مضامین، مکالوں اور کتابوں کے خالق ہیں۔ جو ان قدیم تہذیبوں پر روشنی ڈالتے ہیں۔ ان کی مشہور زمانہ کتاب قدیم ہندوستان کے ماخذ (The Roots of Ancient India) میں ایک پورا باب برزہ ہوم سے متعلق ہے۔ ڈاکٹر والٹر فیئر سروس نے جو بھی نتائج اخذ کئے ہیں انکی بنیاد ڈاکٹر ڈیرہ اور ڈاکٹر پیٹرسن کی تحقیقات ہیں۔ یاد رہے ڈاکٹر پیٹرسن اور ڈاکٹر ڈیٹرہ نے ۱۹۴۰ء میں کشمیر کا مطالعاتی دورہ کیا تھا۔ ڈاکٹر مذکورہ کے حوالے سے والٹر فیر لکھتے ہیں کہ ''یہ ڈاکٹر صاحبان اپنے تحقیقی مشن پر برزہ ہوم پہنچے تو وہ یہ جان کر حیران رہ گئے کہ اس دور افتادہ علاقے میں ایک ایسی تہذیب مدفن ہے جس کی ہمسر کسی دوسری تہذیب کے آثار شمالی ہندوستان کے کسی دوسرے علاقہ سے آج تک نہیں ملے ہیں''۔(۱۱)

''شمالی ہندوستان کی نئی دریافت شدہ تہذیبوں اور ان کے آثار قدیمہ کا مطالعہ کرتے ہوئے ھارورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر لارسٹن وارڈ نے یہ رائے قائم کی ہے کہ شمالی ہندوستان کی دیگر تہذیبوں کے برعکس برزہ ہوم میں مدفن تہذیب کے آثار مکمل غیر آریائی تہذیب کے آثار ہیں''۔(۱۲)

برصغیر جنوبی ایشیاء کی قدیم تاریخی اور مذہبی کتابوں، آثار قدیمہ اور عصر حاضر کے ماہرین کی تحقیقات کو بنیاد بنایا جائے تو پورے وثوق کے ساتھ یہ کہا جاسکتا ہے کہ برزہ ہوم اور اس کے گردونواح سے جس مدفن تہذیب کے آثار ملے ہیں وہ دراصل غیر آریائی ناگ تہذیب کے آثار ہیں۔ ناگ تورانی نسل تھے اور قدیم تورانی زبان بولتے تھے۔ جواب ناپید ہوچکی ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ ناگ لوگ توران، ترکمان، بدخشاں، کاشغر اور منگولیہ کے علاقوں سے ہجرت کر کے کشمیر آئے تھے اور انہوں نے ہی کشمیر میں سب سے پہلے انسانی تہذیب کی بنیاد رکھی۔

☆☆☆☆

## حوالہ جات


۱۔ ڈاکٹر محمد صغیر خان، کشمیر کی جدوجہد آزادی اور اردو ادب، تحقیقی مقالہ Ph.D جامعہ کراچی، ص۳۴

۲۔ سلیم خان گمی، کشمیر اور ادب وثقافت، ص۲۱۳

۳۔ سلیم خان گمی، کشمیر اور ادب وثقافت، ص۲۱۹

۴۔ پنڈت کلہن، راج ترنگنی (اردو ترجمہ)، ویری ناگ پبلشرز میر پور، ص

۵۔ محمد دین فوق، مکمل تاریخ کشمیر، ویری ناگ پبلشرز میر پور، ص۲۷

۶۔ محمد دین فوق، مکمل تاریخ کشمیر، ویری ناگ پبلشرز میر پور، ص۲۷

۷۔ محمد دین فوق، مکمل تاریخ کشمیر، ویری ناگ پبلشرز میر پور، ص۲۰

۸۔ سید محمود آزاد، تاریخ کشمیر، معارف کشمیر، وھاڑی گیھل، آزاد کشمیر، ص۲۲

۹۔ غلام احمد کشفی، کشمیر ہمارا ہے۔ ص۵۳۔۵۴

۱۰۔ شیراز کاشمیری، کشمیر قوم اور قومتیں، کشمیر اکیڈمی آف سوشل سائنسز راولاکوٹ، ص۱۵۶

۱۱۔ شیراز کاشمیری، کشمیر قوم اور قومتیں، کشمیر اکیڈمی آف سوشل سائنسز راولاکوٹ، ص۱۵۷

۱۲۔ شیراز کاشمیری، کشمیر قوم اور قومتیں، کشمیر اکیڈمی آف سوشل سائنسز راولاکوٹ، ص۱۵۷

Majallah Tahqiq
Research Journal of
the Faculty of Oriental Learning
Vol: 35, Sr.No.94, 2014, pp 59 - 70

مجلّہ تحقیق
مجلّہ کلیہ علوم شرقیہ
جلد ۳۵، جنوری۔ مارچ ۲۰۱۴ء، شمارہ ۹۴

# حضرت سلطان باہوؒ اور تکذیبِ حُبِ دنیا

سید عنصر اظہر☆

**Abstract:**

Hazrat Sultan Bahu and Takzeeb-e-Hub-Duniya

Allah Almighty has bestowed human being with the Capacity to Choose between right and wrong to make him superior specie. Human being has been conferred with unlimited blessings yet with choice to leave them for the greater intention of having divine adore of eternal Beloved.

Denial of the lust for worldly belongings for the attainment of devout insight, meditation and revelation of heavenly secrets has been remained as a basic ingredient in the teachings of all Sufi orders. To attain this state of selflessness, one has to be alienated in beginning while moving ahead to be above any covet, crave or lust for material gains whatsoever. A large number of great Sufis of different ages including Ali Hajveri ,Fareed ud Din Ganj Shakar ,Bu Ali Qalander ,Nizam ud Din Awlia,Shahbaz Qalendar and Hzrat Sultan Bahu (RA) have practically proven to keep themselves aloof from all the material voracities to reach the pinnacle where Beloved Almighty engulfs the pure souls.

Being a Wali Allah from the cradle, Hazrat Sultan Bahu (RA) has strongly emphasized the need of the denial of worldly lusts. In his view ,negation of material attractions would certainly takes a true seeker to the point where he qualifies to be before Lord among the disciples of Holy Prophet (Peace be upon Him).

In this paper titled "Hazrat Sultan Bahu and Takzeeb-e-Hub-Duniya", author has made an attempt to depict the discourse of Hazrat Sultan Bahu (RA) on the subject of self negation and denial of lust of worldly belongings.

خطہ ہند میں اسلام کی ترویج واشاعت میں صوفیاء کرام کے کردار سے کسی صورت انحراف

---

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ کالج ماڈل ٹاؤن لاہور

ممکن نہیں ، داتا گنج بخشؒ،حضرت میاں میرؒ،حضرت توختہ ترمذیؒ،حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ، حضرت شاہ رکن عالمؒ، حضرت بوعلی قلندرؒ، حضرت شہباز قلندرؒ اور ایسے ہی بہت سے متشرح صوفیاء کرام نے اس خطے کو مشرف بہ اسلام کیا وہیں صوفیاء نے شعراء کے روپ میں بھی اسلام کا پیغام بڑے موثر انداز میں پہنچایا، جن میں بابا بلھے شاہ، بابا فرید، شاہ حسین ، سچل سرمست، شاہ عبدالطیف بھٹائی اور حضرت سلطان باہوؒ کے اسماء کسی کہکشاں سے کم نہیں۔

سلطان العارفین حضرت سلطان باہوؒ مغلیہ دور کے آخری حصے میں شورکوٹ جھنگ میں پیدا ہوئے اور اس زمانے میں ہزاروں لوگوں نے ان کے وجود مسعود سے کسبِ فیض کیا، یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ،''ان کے والد مردِ صالح، پابند شریعت، حافظ قرآن اور فقیہہ مسئلہ دان تھے،حصول فرزند کی خاطر بی بی راستی سے شادی کی، جو خود انتہائی پرہیزگار، صاحب کشف و حضرت کرامت خاتون تھی۔انھوں نے بازید (سلطان باہوؒ کے والد بزرگوار) کا قلب ہی پلٹا دیا اور انھوں نے ترکِ دنیا اختیار کرلیا''۔(۱) حضرت سلطان باہوؒ اور تکذیبِ حبِ دنیا۲

پروفیسر احمد سعید ہمدانی ان کی والدہ کا تعارف کرواتے ہوئے لکھتے ہیں،''ان کے والدہ تصوف و عرفان میں بہت بلند مقام کی حامل تھیں۔معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ولادت سے پہلے ہی ان کی والدہ ان کے رتبے اور مقام سے آگاہ تھیں اس لئے ان کا نام باہو رکھا''۔(۲)

اس بات کا ذکر حضرت سلطان باہوؒ نے اپنی تصنیف محک الفقر کلاں میں بھی کیا ہے،

نام باہو مادر باہو نہاد زانکہ باہو دائمی باہو نہاد(۳)

(ترجمہ: باہو کا نام باہو کی ماں نے رکھا، ااس لئے کہ باہو ہمیشہ ھو کے ساتھ رہتا ہے)

تصوف و عرفان کے حوالے سے بی بی راستی نے سلطان باہو کی شخصیت پر بہت عمیق نقوش مرتب کئے۔ڈاکٹر سلطان الطاف علی کہتے ہیں کہ،''وہ ہستی جس نے سلطان باہو کی زندگی پر گہرے نقوش مرتب کئے، آپ کی والدہ محترمہ تھیں، وہ ایک ولیہ کاملہ تھیں اور وہی راہ سلوک میں آپؒ کی راہبر بھی تھیں''۔(۴)

حضرت سلطان باہوؒ محک الفقر کلاں میں اپنی مادر گرامی کے بارے میں یوں رقم طراز

ہیں، ''بی بی راستی ذکر خفی الٰہی میں اسقدر مستغرق تھیں کہ ان کی آنکھوں سے آنسوں کی بجائے خون بہتا تھا جیسے کہ انھوں نے ذکر حضور حق کو پالیا ہو''۔(۵)

حضرت سلطان باہوؒ مادر زاد ولی اور عارف کامل تھے جو مغل بادشاہ شاہجہان کے دور میں پیدا ہوئے، بچپن ہی سے ان کی عظمت کے آثار ان کی پیشانی سے ہویدا تھے۔ جو کوئی بھی ان کے چہرہ مبارک پر نگاہ ڈالتا اس کی ظاہری و باطنی حالت بدل جاتی اور وہ کفر ترک کر کے دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتا، سلطان الطاف علی کے بقول، ''بچپن ہی سے انوارِ ولایت ان کے وجود سے ظاہر تھے اور بعد ازاں وہ باہو سے سلطان باہو پکارے جانے لگے''۔(۶)

مناقب سلطانی میں لکھا ہے کہ، ''حضرت غوث الثقلین کی طرح آپ بھی ماہِ رمضان میں شیرِ مادر نہ پیتے تھے''۔(۷)

جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ حضرت سلطان باہوؒ کے کشف و کرامات بچپن ہی سے ظاہر تھے ڈاکٹر لاجونتی رام کرشن اس ضمن میں لکھتے ہیں کہ، '' سلطان باہو بچپن ہی سے اس قدر مومن و مسلمان تھے کہ ان کے چہرے کے گرد نور کا حلقہ رہتا تھا اور جو ہندو بھی اس نور کے حلوے کو دیکھتا اس کے اثر کو قبول کرتا اور مسلمان ہو جاتا''۔(۸)

یہ عارف کامل جو امام وقت، شہباز عارفان، سلطان العارفین، برہان الواصلین، صوفی با صفا اور سلطان الفقراء کے القاب سے معروف ہوئے، آپ نے فارسی زبان میں تقریباً ایک سو چالیس (۱۴۰) گراں قدر کتب تصنیف فرمائیں، ایک دیوان پنجابی شاعری اور ایک دیوان فارسی عارفانہ وصوفیانہ شاعری پر مشتمل آپ کے آثار ہیں، مگر آج فقط اکتیس (۳۱) آثار میسر ہیں کہ جو فقر و عرفان و تصوف کا مکمل احاطہ کرتے ہیں۔ حضرت سلطان باہوؒ کے ان آثار کے فکری و رعرفانی موضوعات کی تفصیل کچھ اس طرح ہے، ''توحید، رسالت، پابندی شریعت، عشقِ حقیقی، ذکر الٰہی، سماع، تلقین امر ونہی، آرزوِ دیدار و وصل، احساس گناہ، عجز وانکسار، ہجر وفراق، جبر و قدر، ضبط نفس، فکر آخرت، بے ثباتی دنیا، علم وعمل، مراقبہ، فقر وفقیر، لقاء و رویت، تخلیق آدم وقیامت کا ظہور، فنا فی اللہ، کشف، یقین، ذکر، مرشد وطالب، اہمیت مرشد وغیرہ''۔(۹)

حضرت سلطان باہوؒ اور تکذیب حبِ دنیا ۳

دیگر صوفیا کی طرح حضرت سلطان باہوؒ کے ہاں بھی حبِ دنیا کی تکذیب بڑی شد و مد سے کی گئی ہے اور دنیا اور مال دنیا کی شدت سے تکفیر کی گئی ہے۔ پروفیسر احمد سعید ہمدانی کہتے ہیں کہ، ''صوفیاء کی اصطلاح میں دنیا سے مراد وہ کاروبار ہے جو عقائد دینی اور اخلاق حسنہ کو پسِ پشت ڈال کر صرف اس مقصد کے لئے اختیار کیا جائے کہ اس سے مال و دولت میں اضافہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیاء کے ہاں بعض مقامات پر اس سے مراد محض دولت دنیا بھی ہے اور دولت کے نتیجے میں حاصل ہونے والے خصائص یعنی آسائش و اقتدار بھی۔ صوفیاء نے انبیاء کی اقتداء میں اس قسم کے کاروبار کو جو اس نیت سے کیا جا رہا ہو، برا گردانا ہے''۔(۱۰)

معروف پنجابی دانشور اور محقق ڈاکٹر سرفراز حسین قاضی لکھتے ہیں کہ، ''حضرت سلطان باہو ہوراں کول بڑے ای سخت لفظاں وچ مذمت لبھدی اے۔ دنیا اُنج وی حقیر تے ذلیل شے ای اے تے صوفیاں کول ایس نوں چھڈ دین دی تلقین ای لبھدی اے''۔(۱۱)

ادھی لعنت دنیا تائیں ، ساری دنیا واراں ہو
جیں راہ صاحب خرچ نہ کیتی ، لین غضب دیاں ماراں ہو
پیوواں کولوں پت کو ہاوے، بھٹھ دنیا مکاراں ہو
ترک جنھاں دنیا تھیں کیتی، لیسن باغ بہاراں ہو(۱۲)

ڈاکٹر اختیار حسین کیف نیازی کے بقول، ''صوفیاء کرام کے نزدیک حق تعالیٰ سے غفلت کا نام ہے۔ ورنہ آسائش یا زر و زن وغیرہ اگر اللہ کے راستے میں رکاوٹیں نہیں بنتیں تو یہ مذموم نہیں، وہی دنیا مذموم ہے جو اللہ کے راستے میں رکاوٹ بنے''۔(۱۳)

پروفیسر احمد سعید ہمدانی کے مطابق، ''حضرت سلطان باہوؒ کے ہاں ترک دنیا سے مراد ترک محبت دنیا ہے کیونکہ یہاں دل میں دنیا کی محبت پیدا ہوئی، وہاں طمع نے ڈیرے ڈال دیئے اور طمع کی کوئی حد نہیں ہے''۔(۱۴)

ڈاکٹر سلطان الطاف علی اپنی فارسی تصنیف میں کچھ یوں رقمطراز ہیں، ''حضرت سلطان العارفین قدس اللہ سرہ در ہمہ تصانیف خود بارہا مذمت دنیا و دنیادار کردہ اند۔ در نظر شان دنیا ہر آن چیز است کہ از خدا غافل کند یا از خالق حقیقی دور اندازد''۔(۱۵)

(ترجمہ: حضرت سلطان العارفین قدس اللہ سرہ نے اپنی تمام تصانیف میں بار ہا دنیا اور دنیا داروں کی مذمت کی ہے۔ ان کی نظر میں ہر وہ چیز جو خدا سے غافل کرے یا خالق حقیقی سے غافل کرے، دنیا ہے۔)

حضرت سلطان باھوؒ نے اپنی اکثر تصانیف میں تکذیب حب دنیا کی ہے۔ کلید التوحید کلاں میں آپ فرماتے ہیں، ''اول ہر کہ از دل حبِ دنیا بیرون نبر کشد ہرگز بہ قرب اللہ و مجلس نبی اللہ ﷺ نرسد و از ہر یک موئی از قلب قالب ذکر جاری نگردد و معرفت وفقر خدا کہ فتح اصل است، بغیر از ترک دنیا نہ می رسد بہ وحدانیت وصل اگر چہ تمام عمر سر بسنگ زند''۔(۱۶)

(ترجمہ: جو شخص اپنے دل سے دنیا کی محبت کو باہر نہیں نکالتا وہ نہ تو اللہ تعالیٰ کا قرب اور مجلس محمدی ﷺ کی حضوری پا سکتا ہے، نہ اس کے ہر ایک بال اور قلب وقالب سے ذکر اللہ جاری ہو سکتا ہے، نہ اسے فقرت و معرفت الٰہی کی اصل فتح حاصل ہو سکتی ہے اور نہ ہی وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت و وصال تک پہنچ سکتا ہے چاہے عمر بھر سنگِ ریاضت سے سر ٹکراتا پھرے۔)



عین الفقر میں آپ فرماتے ہیں کہ،

از دل بدر کنم غم دنیا و آخرت یا خانہ ای جای رخت بود یا خیال دوست(۱۷)

(ترجمہ: میں اپنے دل سے غم دنیا و آخرت نکال دوں، گھر میں یا تو سامان کی جگہ ہوتی ہے یا خیال دوست کی۔)

عین العارفین میں حضرت سلطان باھوؒ فرماتے ہیں کہ،'' ہر کرا باشد از اسم اللہ آگاہ، ہر زمان وجان دیگر، سر از اِلٰہ زان نقش بندی۔ بجز نقاش چون ہر چہ باشد لا سوای اللہ از دل بشو۔ ترک دنیا سرِ عبادت اہل دل رالعین''۔(۱۸)

(ترجمہ: جو کوئی بھی اسم اللہ سے آگاہ ہے، اسے ہر لحظہ دوسری جان میسر ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ سے راز حاصل ہو جاتا ہے۔ نقاش یعنی اللہ تعالیٰ کے علاوہ جو چیز بھی ہو، اسے دل سے دھوڈالو۔ اہل دین کے لئے ترک دنیا عبادت کی جڑ ہے اور اہل دل کے لئے دنیا کی محبت لعنت ہے۔)

گنج الاسرار میں آپ فرماتے ہیں کہ،

آنچہ از حق باز دارد دنیای زشت — آنچہ باحق می برد مزرعہ بہشت (۱۹)

(ترجمہ: جو چیز اللہ تعالیٰ سے دور رکھے وہ دنیائے زشت ہے اور جو چیز اللہ تعالیٰ کی طرف لے جائے وہ جنت کی کھیتی ہے۔)

حضرت سلطان باھوؒ محک الفقر خورد میں ایک حدیث کا حوالہ دینے کے بعد بھرپور انداز میں تکذیب دنیا کرتے ہیں، حدیث ہے کہ ''الدنیا جیفۃ وَطالبھا کلاب، یعنی دنیا مردار ہے اور اس کے طالب کُتے ہیں پھر سلطان باھوؒ شعر لاتے ہیں کہ،

اہلِ دنیا کافرانِ مطلق اند — دائماً در چق چق و بق بق اند

اہل دنیا چون سگِ دیوانہ اند — دور شوز یشان کہ بس بیگانہ اند ۲۰

(ترجمہ: دنیادار مکمل طور پر کافر ہیں وہ ہمیشہ فضول بات کرتے ہیں، اہلِ دنیا دیوانے کُتے کی طرح ہیں، ان سے دور ہو جاؤ کہ یہ بیگانے ہیں۔)

حضرت سلطان باھوؒ ترک حبِ دنیا اور حبِ مال و زر کو صوفیاء اور اولیاء کا وصف بتاتے ہیں، مفتاح العارفین میں لکھتے ہیں،''

خلق را طاعت بود از کسب تن — عارفان را ترک مال و جاہ و تن ۲۱

(ترجمہ: مخلوق کی اطاعت تن پروری سے ہوتی ہے جب کہ عارفوں کی اطاعت مال و جاہ و تن کو ترک کرنے سے ہوتی ہے۔)

محک الفقر کلاں میں حضرت سلطان باھوؒ فرماتے ہیں کہ ''کسی را کہ سرِ نہاں دوام حاضر در ہر زمان است، حیرت آن را از ان است در حیرت پیدا شود، ترک دنیا سراسر سعادت است''۔(۲۲)

حضرت سلطان باھوؒ اور تکذیبِ حبِ دنیا ۵

(ترجمہ: جس کسی کو بھی سرِ نہاں حاصل ہے وہ دائمی طور پر ہر زمانہ میں حاضر ہے اور اسے حیرت اس وجہ سے ہے کہ حیرت میں ترک دنیا پیدا ہوتی ہے، اور دنیا کا ترک کرنا سراسر سعادت ہے۔)

محک الفقر کلاں میں ترک حبِ دنیا پر مختلف انداز سے اشعار میں بھی آپؒ نے اپنے اس نقطہ نظر کو تقویت بخشی ہے،

ناظران را نظر باشد بر الہٰ لعنتی بر مال دنیا، لعنتی بر عز و جاہ (۲۳)

(ترجمہ: طالب دیدار کی نظر صرف اللہ تعالیٰ پر ہوتی ہے، وہ دنیا کے مال اس کی محبت اور اس کی جاہ و حشمت پر لعنت بھیجتے ہیں)

ترک دنیا دِہ بیا راہِ خدا فقر را ھادیست ہادی مصطفیٰ ﷺ (۲۴)

(ترجمہ: دنیا کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے راستے پر آجا، فقر کی راہ کے ہادی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔)

حضرت سلطان باہوؒ فقر کو فیض عام اور راہِ دنیا کو شرک کہتے ہیں،

'' راہِ فقر فیض است فیض عام، راہِ دنیا شرک است، مطلق حسد تمام''۔(۲۵)

آپ فرماتے ہیں کہ،

ترکِ دنیا کی تواند ہر خسی یا بوالہوس شیر مردی بایدت در بادیہ مردانہ ای (۲۶)

(ترجمہ: ہر گھٹیا شخص دنیا کو کب چھوڑ سکتا ہے۔انسان کو شیر دل ہونا چاہیئے تاکہ جنگل میں بہادروں کی طرح رہ سکے۔)

حضرت سلطان باہوؒ کا فارسی غزل کا دیوان بھی ان کے عارفانہ وصوفیانہ افکار کا مظہر ہے، فارسی غزل میں بھی آپ نے تکذیبِ حُبِ دنیا بڑی شد و مد سے کی ہے۔مشکواۃ شریف اور ابنِ ماجہ کی احادیث ('' ترکِ الدنیا راسِ کُل عبادۃ وحُبِ الدنیا راسِ کُلِ خطیۃ''، ترجمہ: دنیا سے منہ موڑنا تمام عبادتوں کی جڑ ہے اور دنیا کی محبت تمام گناہوں کی بنیاد ہے۔) کا حوالہ دیتے ہوئے تلمیح کے پیرائے میں ایک غزل مین تکذیبِ دنیا او حبِ دنیا کرتے ہیں، مطلع ملاحظہ کیجئے

حُبِ دنیا راس آمد کُلِ خطا تا پنداری کہ این باشد عطا ۲۷

(ترجمہ: حبِ دنیا تمام خطاؤں کی بنیاد ہے، تاکہ تو اسے عطا نہ سمجھ لے)

ایک اورغزل میں آپ ﷺ کی ایک اور حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے ترکِ دنیا کو ثابت کیا ہے، یہ حدیث حضرت ملا علی قادری نے 'عین العلم شرح زین الحلم' میں بیان کی ہے،'' قال علیہ اسلام، الدنیا جیفۃ وطالبہا کلاب''، (ترجمہ: دنیا ناپاک ہے اور اس کے طالب کُتے ہیں)

حضرت سلطان باہوؒ کی غزل کے اشعار ملاحظہ ہوں،

دنیا است عین جیفہ کلاب اند طالبان　　این قول واضح است ز نبی آخر زمان
جیفہ است پی جیفہ چہ گردی تو چون سگان　　ھان سگ نہ ای تو انسان پی جیفہ چیست غم (۲۸)

حضرت سلطان باہوؒ اور تکذیبِ حبِ دنیا　۶

(ترجمہ: دنیا [گلے سڑے حیوان کی طرح] مردار کا سرچشمہ ہے جس کے طالب کُتے ہیں۔ یہ بات نبی آخر الزمان ﷺ کے قول سے واضح ہے۔ تو جان لے کہ مردار کے پیچھے مردار لگا ہوا ہے، تُو کُتوں کی طرح اس کے پیچھے کیوں پھر رہا ہے، خبردار ہو تو کتا تو نہیں ہے بلکہ انسان ہے، مردار کا تجھے کیا غم ہے۔)

حضرت سلطان باہوؒ کے ہاں پنجابی اور فارسی میں جس تیقن اور شدت کے ساتھ اُس دنیا کی تکذیب کی گئی ہے جو خدا سے بے پرواہ اور غافل کر دیتی ہے شاید ہی کسی دوسرے صوفی شاعر کے ہاں ملتی ہوگی۔ آخر میں آپؒ کے چند اشعار فارسی اور پنجابی شاعری سے آپ کے نظریہ تکذیب حُبِ دنیا کے ذیل میں ملاحظہ ہوں:

ز دنیا تو ترک گیر کہ راس العبادت است　　آری عبادتست و لیکن عنایت است

(ترجمہ: تو دنیا سے ترک کر لے کیونکہ یہی عبادت کی بنیاد ہے، ہاں عبادت ہے اور یہ عبادت عین عنایت ہے۔)

آنہا کہ ترک کرد ز اہلِ قناعت اند　　عارف بگردِ دنیا ای جان کجا بگردد

ترجمہ: جنھوں نے ترک دنیا کیا وہ اہل عنایت میں سے ہیں، وہ حق شناس مرد ہے جو قناعت رکھتا ہے۔)

عارف بگردِ دنیا ای جان کجا بگردد　　آنکس کہ ترک کرد از اہلِ سعادت است

(ترجمہ: اے میری عزیز جان، عارف دنیا کے پیچھے کب بھاگتا ہے، جس نے ترک دنیا اختیار کی وہ اہلِ سعادت میں سے ہے۔)

دنیا درین جہان چو مردار منجلاب است    ہر کس گرفت باخود زہر این کفایت است

(ترجمہ: اس جہان میں دنیا پانی کت مردار گڑھے کی مانند ہے، جس نے اسے اپنے لئے لیا تو اس کے مرنے کے لئے یہ زہر کافی ہے۔)

آنکس کہ میل کرد بہمت تمام خویش    بخشش بہ بین تو یا ورز اہلِ سعادت است

(ترجمہ: جس شخص نے اپنی پُوری عالی حوصلگی سے کام لیا، تو اس کا بخت مددگار دیکھے گا کہ وہ اہل سعادت سے ہے۔)

پنجابی کلام میں بھی تکذیبِ دنیا کا نمونہ ملاحظہ کیجئے،

دنیا گھار منافق دے یا گھر کافر دے سوہندی ہو
نقش نگار کرے جیوں کردی عورت سوہنے منہ دی
بجلی وانگ کرے لشکارے سِر دے اتوں سوہندی ہو
حضرت عیسیٰؑ دی سِل وانگوں ،ویہندیاں راہ کوہیندی ہو (۳۰)

نیز فرماتے ہیں،

دنیا ڈھونڈن والے کُتے، در در پھرن حیرانی ہو
ہڈی اتے ہوڑ تنہاں دی ، لڑ دیاں عمر وہانی ہو
عقل دے کوتاہ سمجھ نہ جانن پیوَن لوڑن پانی ہو
باجوں ذکر ربے دے باھو ، کوڑی رام کہانی ہو (۳۱)



☆☆☆☆

# حوالہ جات


۱۔ سلطان حامد، مناقب سلطانی، دربار حضرت سلطان باہو شورکوٹ جھنگ، س ن، ص ۱۲
۲۔ احمد سعید ہمدانی پروفیسر سید، احوال و مقامات حضرت سلطان باہوؒ، ناشاد پبلشرز لاہور، ۱۹۹۶ء، ص ۲۹
۳۔ سلطان باہو حضرت، محک الفقر کلاں، حق باہو منزل لاہور، ۲۰۰۲ء، ص ۱۶۶
۴۔ سلطان الطاف علی ڈاکٹر، احوال و آثار فارسی حضرت سلطان باہوؒ، انتشارات مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد، ۲۰۰۳ء، ص ۳۴
۵۔ سلطان باہو حضرت، محک الفقر کلاں، حق باہو منزل لاہور، ۲۰۰۲ء، ص ۱۵
۶۔ سلطان الطاف علی ڈاکٹر، دیوانِ باہو فارسی، ادارہ تعلیم القرآن لاہور، ۲۰۰۴ء، ص ۱۵
۷۔ سلطان حامد، مناقب سلطانی، شبیر برادرز لاہور، س ن، ص ۲۷
۸۔ لاجونتی رام کرشن، پنجابی کے صوفی شاعر، بک ہوم مزنگ لاہور، ۲۰۰۴ء، ص ۷۷
۹۔ راغب حسین نعیمی، العارفین، العارفین پبلیکیشنز لاہور، ۲۰۰۱ء، ص ۴۶۴
۱۰۔ احمد سعید ہمدانی پروفیسر سید، احوال و مقامات حضرت سلطان باہوؒ، ص ۷۲
۱۱۔ سرفراز حسین قاضی ڈاکٹر، تصوف تے پنجابی دے صوفی شاعر، عزیز بک ڈپو لاہور، ۱۹۷۳ء، ص ۲۳۵
۱۲۔ ابوالکاشف قادری، شرح ابیات باہو، مشتاق بک کارنر لاہور، س ن، ص ۴۶
۱۳۔ اختیار حسین کیف نیازی ڈاکٹر، شاعری میں صوفیانہ اصطلاحات، ویل کم بک پورٹ کراچی۔ ۲۰۰۹ء، ص ۱۲۸
۱۴۔ احمد سعید ہمدانی پروفیسر سید، احوال و مقامات حضرت سلطان باہوؒ، ص ۷۳
۱۵۔ سلطان الطاف علی ڈاکٹر، احوال و آثار فارسی حضرت سلطان باہو، ص ۲۵۴
۱۶۔ سلطان باہو حضرت، کلید التوحید کلاں، العارفین پبلیکیشنز لاہور، ۲۰۱۰ء، ص ۹۸
۱۷۔ سلطان باہو حضرت، عین الفقر، حق باہو منزل لاہور، ۱۹۹۸ء، ص ۴۶

۱۸۔ سلطان باہوحضرت، عین عارفین،حق باہومنزل لاہور، ۱۹۹۸ء، ص۲۰
۱۹۔ سلطان باہوحضرت، گنج الاسرار، پروگریسوبکس لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۶۰
۲۰۔ سلطان باہوحضرت، محک الفقرخورد، حق باہومنزل لاہور، ۲۰۰۰ء، ص ۴۶
۲۱۔ سلطان باہوحضرت،مفتاح العارفین، حق باہومنزل لاہور، ۲۰۰۱ء،ص ۱۱۲
۲۲۔ سلطان باہوحضرت، محک الفقرکلاں،حق باہومنزل لاہور، ۲۰۰۲ء ،ص ۴۳۰



۲۳۔ سلطان باہوحضرت، محک الفقرکلاں،حق باہومنزل لاہور، ۲۰۰۲ء ،ص ۱۱۴
۲۴۔ سلطان باہوحضرت، محک الفقرکلاں،حق باہومنزل لاہور، ۲۰۰۲ء ،ص۱۱۸
۲۵۔ سلطان باہوحضرت،محک الفقرکلاں،حق باہومنزل لاہور، ۲۰۰۲ء ،ص۱۱۸
۲۶۔ سلطان باہوحضرت،محک الفقرکلاں،حق باہومنزل لاہور، ۲۰۰۲ء ،ص۵۵۲
۲۷۔ سلطان باہوحضرت،حق باہومنزل لاہور، دیوان باہوفارسی، ص۷۸
۲۸۔ سلطان باہوحضرت،حق باہومنزل لاہور، دیوان باہوفارسی، ص ۱۰۰
۲۹۔ سلطان باہوحضرت،حق باہومنزل لاہور، دیوان باہوفارسی، ص ۱۰۲
۳۰۔ ابوالکاشف قادری،شرح ابیات باہو، ص ۲۳۴
۳۱۔ ابوالکاشف قادری،شرح ابیات باہو، ص ۲۳۶

## کتابیات

۱۔ احواال و آثار فارسی حضرت سلطان باہوؒ،ڈاکٹر سلطان الطاف علی، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد، ۲۰۰۳ء
۲۔ احوال و مقامات حضرت سلطان باہوؒ، پروفیسر سید احمد سعید ہمدانی، ناشاد پبلشرز لاہور، ۱۹۹۶ء
۳۔ العارفین،العارفین پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۰۱ء
۴۔ پنجابی کے صوفی شاعر، لاجونتی رام کرشن، بک ہوم مزنگ لاہور، ۲۰۰۴ء

۵۔ تصوف تے پنجابی دے صوفی شاعر، ڈاکٹر سرفراز حسین قاضی، عزیز بک ڈپو لاہور، ۱۹۷۳ء
۶۔ دیوان باہو فارسی، ڈاکٹر سلطان الطاف علی، ادارہ تعلیم القرآن لاہور، ۲۰۰۴ء
۷۔ شاعری میں صوفیانہ اصطلاحات، ڈاکٹر اختیار حسین کیف نیازی، ویلکم بک پورٹ کراچی، ۲۰۰۹ء
۸۔ شرح ابیات باہوؒ، ابو لکاشف قادری، مشتاق بک کارنر لاہور
۹۔ عین العارفین، حضرت سلطان باہوؒ، حق باہو منزل لاہور، ۱۹۹۸ء
۱۰۔ عین الفقر، حضرت سلطان باہوؒ، حق باہو منزل لاہور، ۱۹۹۸ء
۱۱۔ کلید التوحید کلاں، حضرت سلطان باہو، العارفین پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۱۰ء
۱۲۔ گنج الاسرار، حضرت سلطان باہو، پروگریسو بکس لاہور، ۱۹۹۴ء
۱۳۔ محک الفقر خورد، حضرت سلطان باہوؒ، حق باہو منزل لاہور، ۲۰۰۰ء



۱۴۔ محک الفقر کلاں، حضرت سلطان باہوؒ، حق باہو منزل لاہور، ۲۰۰۲ء
۱۵۔ مفتاح العارفین، حضرت سلطان باہوؒ، حق باہو منزل لاہور، ۲۰۰۱ء
۱۶۔ مناقب سلطانی، سلطان حامد، دربار حضرت سلطان باہو شورکوٹ جھنگ
۱۷۔ مناقب سلطانی، سلطان حامد، شبیر برادرز لاہور

Majallah Tahqiq
Research Journal of
the Faculty of Oriental Learning
Vol: 35, Sr.No.94, 2014, pp 71 - 84

مجلّہ تحقیق
مجلّہ کلیہ علوم شرقیہ
جلد۳۵،جنوری۔مارچ ۲۰۱۴ء،شمارہ۹۴

# متناقض نمایی در خمسهٔ امیر خسرو

دکتر محمد ناصر☆نواز احمد☆☆

**Abstract:**

Amir Khosrow (1253-1325 AD) was a Sufi poet,musician and scholar. He is an iconic figure in the cultural history of Subcontinent. He is regarded as the founder of Qawali and he introduced Ghazal style songs in India. He is also credited with introducing Persian, Arabic & Turkish elements in Indian classical music. He was an expert in many styles of Persian poetry which were developed in midieval Persia. He was a prolific poet associated with the royal courts of more than seven rulers of Delhi Sultanate. He is the first poet who followed the foot steps of Nezami Ganjavi (1141-1209 AD) and wrote five Mathnavis in response to his Khamsa. In this article Paradox in his extremely famous five Mathnavis has been introduced, critically evaluated and scholarly analysed.

**Key words:** Amir Khosrow, Persian Poetry, Khamsa, Paradox, Analysis

امیرخسرو (۱۲۵۳-۱۳۲۵م) یکی از پُرگوترین شاعران تاریخ ادب فارسی و لابد برجسته ترین شاعر فارسی در شبه قاره و نخستین و مهمترین پیرو نظامی گنجوی (۱۱۴۱-۱۲۰۹م) محسوب می شود. او در استقبال خمسهٔ نظامی پنج مثنوی سرود که در واقع شاهکار ادبی و عمده ترین نمونهٔ شعر فارسی سبك عراقی در شبه قاره است. متناقض

☆ عضو هیأت علمی گروه فارسی دانشگاه پنجاب لاهور
☆☆ دانشجوی دورهٔ دکتری فارسی دانشگاه پنجاب لاهور

نمایی یکی از ویژگیهای هنری شعر است که امیرخسرو با استفاده از آن در خمسهٔ خود تصاویر بسیار زیبا و جذاب می سازد. در مقالهٔ حاضر چنین تصویرها مورد تحلیل و تجزیه قرار گرفته که شایستهٔ توجه است، و افزون بر آن بر رسی تصاویر متناقض نمایی ذهنیت شاعر و حال و هوای درونی مثنوی های خمسهٔ خسرو را روشن می سازد.

می دانیم که شاعران عاطفه و احساس را گره می زنند. با دیدهٔ دل می نگرند، با گوشِ هوش می شنوند، با مشامِ جان استشمام می کنند وحروف و واژگان را به خدمت گرفته برای ما دنیایِ دیگری که فراتر از گمان و اندیشهٔ ماست ، جلوی چشمانِ ما مجسم می سازند.

به گفته شاعر:

آیینه ام آیینه ام مرد مقالات نیم　　دیده شود حال من ار چشم شود گوش شما

(مولوی، شمارهٔ غزل۳۸)

پس اگر کسی بخواهد در آیینهٔ روح بنگرد و عکس جان را ببیند، باید با دیده بشنود و با گوش ببیند ، و در یك دنیای متناقض بسر ببرد.

پارادوکس یا متناقض نمایی از زمانهٔ قدیم یکی از ویژگیهای مهم هنری شعر به حساب می آید و سخندانان همواره آن را در آثارِ خود به کار برده اند. (شفیعی کدکنی، (الف)، ٥٤ـ٦٠؛ همو، (ب)، ١٤٩ـ١٥٦؛ سیما داد، ٨٩ـ٩٠؛ میر صادقی، ٤٦ـ٤٧؛ Cuddin, 471-472; Abraham, 119-120; Britannica, 136/9)

امیر خسرو در متناقض نمایی هنر خود را جلوه می دهد. او با استفاده از شمشیر، آتش به دریا می زند. جای شگفتی است که او آسودگی را در غمناکی و هلاکت می بیند. پیشِ او آیینه، آب آهنین می گردد. قلم هنرمند وی از آبِ سیه، سپیده رویی می جوید. جلوی او عروسان فتنه جوی از سپیده روی، سیاه روی می شوند.

ز شمشیر آتش به دریا زده　　ز نیزه ثری بر ثریا زده

آیینه، ص٤١٤

دانی که جهان فریبناك است　　آسودگی اش غم و هلاك است

مجنون، ص۱٦۹

رخسارهٔ لاله پر ز چین گشت　　آیینهٔ آب آهنین گشت

مجنون، ص۲۲۵

دانی ز قلم هنر چه جویی　　از آب سیه سپید روئی

مجنون، ص۱۵۹

بس عروسان که فتنه جوی شدند　　از سپیده سیاه روی شدند

هشت بهشت، ص۵۹۱

خسرو از غلغل سرودِ بی لحن تصویر پایکوبی فرشته پیش چشم ما مجسم می سازد. او تنها از یك گل، گلشنی درست می کند، و سپس تصویر شیرِ مرغ را ارایه می دهد، و در هنگام نا امیدی، سیاهی را به سپیدی مبدل می کند.

از غلغل این سرود بی لحن　　پا کوفت فرشته بر نهم صحن

مجنون، ص۲۳۸

از گلی گلشنی کنم در خورد　　بجز از من چنین که داند کرد

هشت بهشت، ص٦۳۹

ز حیوان و از مردم از گیا　　اگر شیر مرغ است وگر کیمیا

آیینه، ص۵۳۷

امید که گاه ناامیدی　　بخشی سیه مرا سپیدی

مجنون، ص۱۵۷

در تمثال امیرخسرو قطره دریا را می آشامد. او در قطره ای را در دریا می گذارد، جای عبرت است که "مردهٔ دهان بسته" به ما پند می دهد. واقعیت این است که در شعر او زخمها می خندند و خنده ها گریه ای خونریز می کنند:

بدان دل رسد کین تماشا کنی بدین قطره آشام دریا کنی

آیینه، ص٥٤٩

چنین گنجی به جیب ما نهادن بود در قطره ای دریا نهادن

شیرین، ص٢٨٤

همان مرده که دارد بر دهان بند به خاموشی همی گوید ترا پند

شیرین، ص٤٠١

همی خندید زخم از هیکل مرد به خنده گریه ای خونریز می کرد

شیرین، ص٢٧٩

در شعر امیر خسرو دریا زمین را می شوید، ماتمها به خنده می آید، او به سوی چشمهٔ روشنی روی می آورد، و به بی آبی از خویشتن دست می شوید. چه لطافت دارد که پایش از برگ گل فگار می شود:

بر آن ره گیران زنند از کمین به دریا شویند از ایشان زمین

آیینه، ص٤٩٥

به ماتمها بخندیدی طربناك فکندی در عروسی ها به سر خاك

شیرین، ص٣٢٨

سوی چشمهٔ روشنی کرد روی به بی آبی از خویشتن دست شوی

آیینه، ص٤٦٨

پا که ز برگ گل فگار شود چون شود چون به زیر خار شود

هشت بهشت، ص٥٩٧

وقتیکه تن مردم از آلودگی پاك و پالوده می شود پلنگ آهو می باشد و زهر تریاك. پناهندهٔ بی پناهی رهایی نمی یابد. ماه می تواند وقت شب خورشیدی بکند و در اطراف خود نور بگسترد. او دل خود را گوش می سازد و پندها را می نیوشد:

تن مردم چو شد ز آلودگی پاک      پلنگش آهویست و زهر تریاک

شیرین، ص۳۱۲

درین ره که در سر کلاهی نرست      پناهندهٔ بی پناهی نرست

آیینه ، ص۴٦۷

رکاب دولت ار جنبد در این راه      تواند شب که خورشیدی کند ماه

شیرین، ص۳۰۰

تو دل را گوش ساز و پند بنیوش      که نتوانی شنید آن پند ازین گوش

شیرین، ص۴۰۱

شاعر ما در دریا تیمم می کند، جهانی به کنجی نهان دارد، زیر مویی جهان را پوشیده نگه می دارد، و برای طعم شکر و شیر از نمك چاشنی می گیرد:

کجا خاك تا دیدهٔ ما کنون      تیمم کند هم به دریا درون

آیینه، ص۵۴۰

سبب چیست دست از جهان داشتن      جهانی به کنجی نهان داشتن

آیینه، ص۵۱٦

بسا پشم پوشان که اندر جهان      جهانی است در زیر مویی نهان

آیینه، ص۵۲۰

چاشنی باری از نمك برگیر      تا دهن خوش کنی به شکر وشیر

هشت بهشت، ص٦۵۷

او چشمهٔ آفتاب را در سبو می ریزد. تصویر زیبایی را ببینید که در شعر او ابر از دریا بیرون می آید، نزدِ او قطره شعلهٔ آتش است. او سیه رویی را سرخ رویی می بخشد، و زشتی را نکویی نام می عطا می کند:

ریخت چون درسفال ریحا ن روی　　چشمۀ آفتاب را به سبوی

هشت بهشت، ص۶۸۹

بر آمد ز دریای زنگار گون　　چو ابری که آید ز دریا برون

آیینه، ص۵۵٤

جگر گوشه ای را که دریا کش است　　چو قطره دهی شعلۀ آتش است

آیینه، ص۵۲۹

چو نزد زنگیان زشتی نکویی است　　سیه رویی بر ایشان سرخ رویی است

شیرین، ص۳۹٤

خسرو به ذکر پردگی پردۀ باز می پردازد، و بر آبِ "بحرِ ناپای یاب" مانند سواران خیمه می زند. گاهی خاموشی را جواب می پندارد. باز هم جای شگفتی است که خمارش مدیون میگساری نیست:

چو شد پردگی پردۀ باز را　　چه دارد خبر پردۀ راز را

آیینه، ص۵۰۳

چه شاهم که بر بحر ناپای یاب　　زدم خیمه همچون سواران بر آب

آیینه، ص۵٤۰

اندیشۀ او خطاب پنداشت　　خاموشی او جواب پنداشت

مجنون، ص۲۱٤

مرا این آرزو در طالع شوم　　خمار بی می است ومهر بی موم

شیرین، ص۳۶۷

چه عجب که نیستیِ خسرو هستی جاوید است. او در گریه و زاری و سوز و گداز شمع زرد رویی خنده ها می بیند، و در گوهری مایۀ دریا را نگاه می کند، و روزها به شبها

مبدل می شود:

چو از هستی خویش نومید گشت　　درآن نیستی هست جاوید گشت

آیینه، ص۴۱۱

می سوخت چو شمع با رخ زرد　　در گریه و سوز خنده می کرد

مجنون، ص۱۶۷

رشتهٔ نظمی که به صحرا نهم　　در گهری مایه دریا نهم

مطلع الانوار، ص۳۰

روز تو شب شد طلب نور کن　　پردهٔ غفلت ز نظر دور کن

مطلع الانوار، ص۱۲۷

گاهی دلتنگی و یاس غلبه پیدا می کند و خسرو حتیٰ روزها را تیره و تاریك می بیند. روی دلش از شدت غم سنگها همچون کوه می ریزد. سکوت او گویاست، بانكِ بلند پند و اندرز شنیده می شود. نزدِ او شکر شور است ، پس چطور لذت یابد:

با کیست ز روز تیره رازش　　چون می گذرد شب درازش

مجنون، ص۲۲۴

دلی و صد هزار اندوه بر دل　　ز بی سنگی غمی چون کوه بر دل

شیرین، ص۳۰۶

چو آن پند جویان شنیدند پند　　ز خاموش گویان به بانكِ بلند

آیینه، ص۵۱۰

ز شور شکرم تسکین نباشد　　شکر چون شور شد شیرین نباشد

شیرین، ص۳۴۸

پیش خسرو فرهاد با وجود آن همه سنگ در شدت یأس و غم بی سنگ یعنی دست خالی می شود. باز هم چه زیبا است که بجای سنگ با استفاده از گوهر بر دریا بند می نهد، و سدّ می گذارد. در شعر او ماکیان علیه عقابها قیام می کنند:

که چون بر کوه شد فرهاد دلتنگ زغم بی سنگ شد با آن همه سنگ

شیرین، ص۳۱۱

نخستش آهنی بر پا نهادند ز گوهر بند بر دریا نهادند

شیرین، ص۳۹۸

به سیمرغ گفتند از اندوه و تاب ستمگاری ماکیان بر عقاب

آیینه، ص۵۰۸

از شب تیره و تارِ خسرو سپیده می دمد، چه عاقلانه است که سخن را خاموشی می پندارد، و آرزوی سرمهٔ سپیدی دارد. نزدِ او سکهٔ خاموشی در سخن هست و از عالم دیگر سخن می ورزد:

به خیری بدل گشت گلنار من سپیده دمید از شب تارِ من

آیینه، ص۵۷۰

ندیمان کان سخن در گوش کردند نبُد جای و سخن خاموش کردند

شیرین، ص۳۲۷

بینش من تیره شد از کار خویش سرمه سپیدم ده از انوار خویش

مطلع الانوار، ص۱۶

سکهٔ خاموشی تو در سخن می کند از عالمِ دیگر سخن

مطلع الانوار، ص۴۰

در حالتِ وجد و کیف، دلِ پر شور خسرو شنونده را کر، و گوینده را لال می سازد. او به طرف عالمی می گردد که آنجا عالم نمی ماند. پیش او شب تاریك مانند روز رخشنده است، و شب های تیره و تاریك روز ها را می آراید:

چون ز وجد آمده دلش در شور سمعه را کرده کر زبان را کور

هشت بهشت، ص۵۸۲

سوی عالمی شد که عالم نماند		دوم درمیان سایه ای هم نماند

آیینه، ص۴۱۱

روان گشت آفتاب عالم افروز		شب تاریك شد رخشنده چون روز

شیرین، ص۳۷۱

فلك ماه را چون شب افروز کرد		شب تیره پیرایهٔ روز کرد

آیینه، ص۴۱۰

خسرو در چشمهٔ نور، شب تیره را می بیند، و به ما مکانی را نشان می دهد که در واقع در لامکان است. او جمالِ صبح تابنده را تیره وتاریك می سازد. نزدِ او دهقانی که خواهش ابر دارد، گاهی در نتیجهٔ سنگباری از آسمان نیز شاد می شود.

به تن شویی جامه ز تن دور کرد		شبِ تیره در چشمهٔ نور کرد

آیینه، ص۴۲۳

شد به مکانی که مکانی نداشت		وز خودی خویش نشانی نداشت

مطلع الانوار، ص۲۱

شد تیره جمال صبح تابش		و افتاد به زردی آفتابش

مجنون، ص۲۲۶

بود دهقان چو بهر ابر، دلتنگ		شود شاد ار چه بارد زآسمان سنگ

شیرین، ص۳۱۲

شاعر ما گاهی خورشید را در چراغ می طلبد، و گاهی درد و غم را مانندِ عیش دمساز می پندارد. او غم دوست را شادی افزای جانِ خود می بیند. خودش غلام است امّا خسرو نام دارد.

شب آن کو ندارد ز پوشش فراغ		طلب کرده خورشید را در چراغ

آیینه، ص۴۹۷

زهی حسن جوانی از تو در ناز		غمت با جان من چون عیش دمساز

شیرین، ص۳٦٦

به زاری گفت کای جانم به توشاد غمت شادی فزای جان من باد

شیرین، ص۳٤٥

سلامِ من که دل در دام دارم غلامم لیك خسرو نام دارم

شیرین، ص۳۱٦

خسرو بر آب فرش سنگین می بندد. او با استفاده از زمین آسمان را بنا می کند، و با وسیلۂ سنگ، بدون آتش موم می سازد، و خال را زلف می خیال می کند:

منظر از خاك تا قمر بستی فرش سنگین بر آب بر بستی

هشت بهشت، ص٦۰۳

بود بنّای کاردان مردی کز زمین آسمان بنا کردی

هشت، ص٦۰۳

نشستند مینا گدازان روم که بی آتش از سنگ سازند موم

آیینه، ص٥۳٦

شب از کو تهی مرغ بی بال بود کنون زلف گشت آنك او خال بود

آیینه، ص٤٩٧

امیر خسرو چشم بیننده را کور گمان می کند . در گوهرش چند دریا وجود دارد. او سنگ خارا را با تیغ پولاد می گدازد و نرم می کند، و در حالت بیداری می خوابد:

تا صفتش پرده نشنیده تر کور تر آن چشم که بیننده تر

مطلع الانوار، ص۱۳

چنان بر سوی خوابگاهم فراز که بیدار خسپم به خواب دراز

آیینه، ص٤۰۸

حد داند کسی تا نگوید درم که تا چند دریاست در گوهرم

آیینه، ص٤۲۰

چنان گشت هنگامهٔ رزم گرم که خارا شد از تیغ پولاد نرم

آیینه، ص۵۰۷

خار زیرِ پهلوی خسرو پرنیان است. او در قطره ای دریا را نهان می بیند. به نظرِ او همایون را بوم می توان گفت. او دریایی دارد که غبار انگیز است:

تن از غلتیدن خاکم چنان است که خارم زیر پهلو پرنیان است

شیرین، ص۳۴۷

تعالی اللّٰه آن کردگار جهان که در قطره ای کرد دریا نهان

آیینه، ص۵٦٦

در آن کوه بی میوه وجای شوم که در وی همایون توان گفت بوم

آیینه، ص۴۷۲

غبار قلب دریا خیز بودش که دریایی غبار انگیز بودش

شیرین، ص۲۷۹

قطرهٔ آب خسرو گویا دریایی می کند. او از سرافگندگی سرافراز می گردد، بدون صحبت دوستان شادی را غم می پندارد، و در نزدیکی یاران غمهای کهن را بجای شادی گمان می کند:

ببین تا چند گردد چرخ دولاب که دریایی کند از قطرهٔ آب

شیرین، ص۳۹۳

چنان گشت کوشنده در بندگی که شد سرفراز از سر افگندگی

آیینه، ص۵۱۴

نشاید خورد می بی دوستداران که شادی غم بود بی روی یاران

شیرین، ص۳۴۳

نشاط از عشق پنهان پرده بگشاد که غمهای کهن دارم ز تو شاد

شیرین، ص۲۹۰

گوهرِ خسرو بقدری بزرگ است که در آن نُه بحر گم می گردد. پیش او گوهر

دریا را می آشامد، وقتی فرزند جوان می شود گویا اینکه بنفشه سروِ بلند گردد، و مور اژدها را زبون و زار می سازد:

بزرگی گوهر نگر ز احترم　　　که کم گشت نُه بحر در گوهرم

آیینه، ص ٥٤٠

ز گوهر هر طویله چون ثریا　　　که کردی هر گهر آشام دریا

شیرین، ص ۳۷۱

گفت اول به اولین فرزند　　　که مرا شد بنفشه سرو بلند

هشت، ص٦٠٦

وگر تن زند تاب چون آورد　　　که مور اژدها را زبون آورد

آیینه، ص٥٠٨

به چشم خسرو نور از سیاهی می باشد.او گوهری دارد که آن محیط بر سه دریاست. او در دُرِّناب یك محیط را غرقاب می کند:

نظر سوی سوادش بیشتر بود　　　که نوری زان سیاهی در بصر بود

شیرین، ص۲۷۸

مهین گوهری روشن اجزا شده　　　گهر کو محیط سه دریا شده

آیینه، ص ٥٠٠

در آن مرقد گوهرین شد به خواب　　　محیطی شده غرق در دُرِّ ناب

آیینه، ص٥٦٤

پیش امیر خسرو آهویی است که شیر را گیر و دار می کند، سخاوت و بخشایش است که ناجوانمردی زنان را به جوانمردی مبدل می سازد. جلوی ما نور سیاه وظلمتِ سپید را جلوه می دهد، و از گریۀ تلخ شکر افشانی می کند:

گر اندازد او شیر و آهو به تیر　　　من آن آهوم کو بود شیر گیر

آیینه، ص٤٨٤

هر زنی کز سخاوتش فردی ست　　　ناجوانمردیش جوانمردی ست

هشت بهشت، ص٥٩١

چشم کز و مرد می هست امید نور سیاه دارد و ظلمت سپید

مطلع الانوار، ص ۸۱

از رخ به زمین شود زر افشان وز گریه تلخ شکر افشان

مجنون، ص۲۲۷

امیر خسرو از داخل نور، تاریکی را در می آورد. نزدِ او سازِ جهان دایم ناسازگار است. او همهٔ گنج دریا را به گوهر می بخشد، روزش را به شب مبدل می کند، و خالِ سیه را پر نور می نماید.

اگرچه دیده روشن گشتش از حور ولی تاریکی آوردش از آن نور

شیرین، ص۳۷۸

که افسر به پور سکندر دهند همه گنج دریا به گوهر دهند

آیینه، ص ۵٦۱

همی گفت اینکه روزش را شب آمد به تلخی جانِ شیرین بر لب آمد

شیرین، ص۳۲۹

چون مردم دیده چشم بد دور یك خال سیه نمای پر نور

مجنون، ص ۱۵۵

# کتابشناسی:

- خسرو، امیر (۱۳٦۲ش) خمسهٔ امیرخسرو دهلوی (شامل پنج مثنوی: مطلع الانوار، مجنون و لیلی، آیینهٔ سکندری، شیرین و فرهاد، هشت بهشت)، با مقدمه و تصحیح امیر احمد اشرفی، چاپ اول، انتشارات شقایق، تهران، ایران
- همو (۱٤۱۰ق) دیباچهٔ تحفة الصغر، به کوشش سید علی حیدر، ادارهٔ تحقیقات ادبی و فارسی، پتنا، بهار، هند
- همو (۱۹۷۵م) دیباچهٔ دیوان غرة الکمال، به کوشش وزیرالحسن عابدی، نیشنل کمیٹی برای مراسم هفتصد سالهٔ امیر خسرو، لاهور

- همو (۱۹۷۳م) کلیات غزلیات امیرخسرو، به کوشش اقبال صلاح الدین، با تجدید نظر سید وزیرالحسن عابدی، چاپ اول، پیکجز، لاهور
- همو (۱۹۷۷م) کلیات قصاید امیرخسرو، به کوشش اقبال صلاح الدین، چاپ اول، پیکجز، لاهور
- سیما داد (۱۳۷۱ش)، فرهنگ اصطلاحات ادبی، انتشارات مروارید، تهران، ایران
- شفیعی کدکنی، محمد رضا (۱۳۷۱ش) (الف)، شاعر آئنه ها، انتشارات آگاه، تهران، ایران
- شفیعی کدکنی، محمد رضا (۱۳۶۶ش) (ب)، صور خیال در شعر فارسی، انتشارات آگاه، تهران، ایران
- میر صادقی، میمنت (۱۳۷۶ش) واژه نامۀ هنر شاعری، انتشارات کتاب ممتاز، تهران، ایران
- Abrahams, M.I.A. (1985) A Glossary of Literary Terms, New York, USA
- Cuddon, J.A (1982) A Dictionary of Literary Terms, New York, USA

Majallah Tahqiq
Research Journal of
the Faculty of Oriental Learning
Vol: 35, Sr.No.94, 2014 pp 85 - 96

مجلّہ تحقیق
مجلّہ کلیہ علوم شرقیہ
جلد ۳۵، جنوری - مارچ ۲۰۱۴ء، شمارہ ۹۴

# معرفی و تصحیح مثنوی "پیر رومی"

هما گل☆ دکتر محمد صابر☆☆

**Abstract:**

Moulana Jalaluddin Rumi is one of the most celebrated Sufi poets in the Persian world. There are so many poets in sub-continent who followed his footsteps and narrated poems in reception of his mathnawi. In this article as mathnawi narrated by an unknown poet of sub-continent has been edited and introduced. Although its title suggests that the poet was the follower of Rumi but a study in depth reveals that it has nothing to do with the main theme of Rumi's mathnawi. This mystic poem shows that its narrater was a skillfull poet.

Key words: Persian literature, Sub-continent, Mathnawi Peer-e-Rumi, Manuscript, Editing and Analysis.

این مثنوی سرودهٔ شاعر ناشناس در ذخیرهٔ گنجینهٔ آذر (نوشاهی، ۳۰۳) در کتابخانهٔ مرکزی دانشگاه پنجاب لاهور نگهداری می شود. (۱) نسخه ای دیگر (بشیرحسین، ۱۶۹) از همین مثنوی در ذخیرهٔ مخطوطاتِ شیرانی نیز در کتابخانهٔ مرکزی دانشگاه پنجاب لاهور نگهداری می شود. (۲) غیر از نسخ یاد شده نسخه های دیگر نیز در فهرست مشترك ذکر شده است. (۳) ذکری از همین مثنوی در یك پایان نامهٔ دکتری فارسی هم آمده است. (٤) نسخهٔ خطی گنجینهٔ آذر مشتمل بر ۱۰۸ بیت و نسخهٔ خطی ذخیره

☆ لیکچرار شعبہ فارسی، گورنمنٹ کالج برائے خواتین باغبانپورہ، لاہور
☆☆ اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ فارسی، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

مخطوطات شیرانی مشتمل بر ۹۷ بیت می باشد. بنا بر این نسخهٔ اول الذکر را نسخهٔ اساس و نسخهٔ آخر الذکر را نسخهٔ بدل قرار داده ایم. شایسته است ذکر شود که چهار نسخهٔ خطی از همین اثر در کتابخانهٔ گنج بخش مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان در اسلام آباد و علاوه بر آن یك نسخهٔ دیگر از همان اثر در کتابخانهٔ شخصی سردار جهندیر در جنوب ایالت پنجاب نگهداری می شود.

## خلاصهٔ مثنوی:

شاعر در آغازِ مثنوی به یاد حکایتی از پیامبر گرامی اسلام می پردازد، و بر آن است که پیامبر برای شفاعت مسلمانان بسیار تلاش کرده است. به گفتهٔ وی حضرت محمد مصطفی دایم شب بیداری می کرد، اما یك شب اتفاقاً خوابش برد. همان زمان ندای غیبی به گوش مبارك وی رسید که ای محمد، تو را هرگز شایسته نیست که در شبها به خواب ناز فرو بروی. پس من امت تو را هرگز عفو نخواهم کرد، و همهٔ آنها را در دوزخ می اندازم. پیامبر اکرم فوری بیدار شد، برخاست، بشدت ناراحت شد، و از شهر دوری جُست. دو سه روز در همین حالت انزوا بسر آمد. یاران و اصحاب پیامبر نگران وجویای وی شدند. حضرت عایشه، ام المومنین، سراسر قصه را برای آنها تعریف کرد. اصحاب پیامبر در جستجوی وی روی به صحرا آوردند. یك چوپان خبر داد که از چند روز گذشته از میان کوه صدای ناله و زاری می آید. چون اصحاب جلو رفتند، دیدند که در میان کوهها در درون یك غار آن صدرکبار در حضور پروردگار سر به سجده، هق هق گریه می کند، و همچون ابر بهار اشك از چشمانش سرازیر می شود. اصحاب گرامی از جمله حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر بن خطاب، حضرت عثمان بن عفان و حضرت علی ابن ابی طالب یگان یگان صدق و صفا، صداقت و عدالت، طاعت و عبادت، و بندگی و دادگستری را در حضور پیامبر اکرم تقدیم نمودند. اما پیامبر هرگز آرام نمی شد، و از گریه و زاری نمی آسود. سرانجام همه پیش حضرت فاطمة الزهرا، دختر نازنینِ پیامبر، حضور پیدا کردند و قصه را برای ایشان بازگو کردند. آن خیر النساء چادر بسر کرده، شتابان پیشِ پیامبر رسید، و

چون دید که از هیچگونه گفتگویی سود نمی جوید. سر به سجده نهاد و به شهادت حرمت اشکِ پدر بزرگوارش، از خداوند مطلق فریاد کرد که جمله امت محمدی را ازغم و اندوه رهایی بخشد. همان دم حضرت جبرائیل از سوی رب الجلیل مژده آورد که دعای دختر رسول مستجاب گردیده است.

## ویژگیهای هنری:

بیت ۳: چار یار: تلمیح؛ اشاره به چهار خلیفهٔ اسلام از جمله ابو بکر صدیق، عمر بن خطاب، عثمان بن عفان و علی ابن ابی طالب

بیت ٦: ناز، نیاز: جناس ناقص

بیت ۱۰: عام و خاص: صنعت تضاد؛ خاص، خلاص: جناس ناقص

بیت ۱۱: خیر البشر: لقب پیغمبرِ اسلام

بیت ۱۲: کس، بس: جناس ناقص

بیت ۱۷: عتاب، عذاب: جناس ناقص

بیت ۲۳: خون دل خوردن: کنایه از رنج و الم کشیدن

بیت ۲٤: جوی، روی: جناس ناقص

بیت ۳۰: آب از دیده ریختن: کنایه از اشك افشاندن و گریستن

بیت۳۸: همچون ابرِ بهار اشك باریدن: کنایه از بی نهایت گریستن

بیت۳۹: جگر خون شدن: کنایه از بی نهایت غمگین شدن

بیت ٤٤: رفیق، شفیق: جناس جاقص

بیت ٤٥: نفع، دفع: جناس ناقص

بیت ٥٥: آسان و دشوار: صنعت تضاد

بیت ٦٧: که، مه: صنعت تضاد، جناس ناقص

بیت ٦٨: خیرالنّسا: لقب حضرت فاطمة الزهرا

بیت ٦٩: مانند باد رفتن: کنایه از تند رفتن، شتافتن

بیت ۸۵: عام و خاص : صنعت تضاد

بیت ۸۸: سیلِ خونِ ناب از مژگان گشادن: کنایه از اشك ریختن و غصه خوردن

بیت ۱۰۰: روح الامین: لقب حضرت جبرائیل

## مثنوی "پیر رومی"

۱ یك حکایت یاد آمد[۱] از رسول باد مقبول همه اهل قبول
۲ تا که معلوم تو گردد همَّتَش تا چه حدَّ است امَّتان را شفقتش
۳ بعد زان آیم به مدح چار یار ای برادر یك زمانی گوش دار
٤ جمله شبها مصطفیٰ بیدار بود اتفاقاً یك شبی خوابش ربود
٥ اندر آن شب هم به فرمانِ خدا[۲] این پیام[۳] آمد به گوش مصطفیٰ
٦ چون محمد بود اندر خوابِ ناز ناگهان آمد خطاب از بی نیاز[٤]
۷ "کای[٥]محمد خواب تو زیبنده نیست هر که در خدمت نباشد بنده نیست
۸ آفریدم من تو را از بهر آن تا شوی پشت پناه اُمتان[٦]
۹ چون تو پردازی به خواب نیم شب کردم اکنون امتانت را غضب
۱۰ دوزخ اندازم همه از عام و خاص یك تن ایشان[۷] را نگردانم خلاص"
۱۱ چون شنید این قصه را خیر البشر شد از آنجا امتی گویان به در
۱۲ رفت زانجا و ندیدش[۸] هیچکس داند او را عالم الاسرار بس
۱۳ چونکه دو روزی[۹] گذشت این قصه را خون دل خوردند یاران غصه را
۱٤ جمله یارانی ز روی اشتیاق ناله می کردند از درد[۱۰]فراق
۱٥ عاقبت روز سیوم بعد از نماز جمله پیش عایشه رفتند باز
۱٦ چون بپرسیدند ز اُمّ المؤمنین داد ایشان را جواب این چنین
۱۷ گفت: "دوشینه رسید از حق عتاب[۱۱] امتان را آیت از بهرِ عذاب

۱۸ چونکه این آیت به گوش او رسید    شد برون از حجره، او را کس ندید"[۱۲]
۱۹ این چنین برخاست از یاران غریو    لرزه ای افتاد اندر جن و دیو
۲۰ جمله یاران ناله و زاری کنان    رو به صحرا آوریدند آن زمان
۲۱ ناگهان دیدند چوپانی[۱۳] ز دور    گشت پیدا در دل ایشان سرور
۲۲ پیش او رفتند پرسیدند از او:    "کای[۱٤]خبر داری ز پیغمبر بگو
۲۳ شد دو سه روزی که گم کردیم ما    در فراقش خون دل خوردیم ما
۲٤ آمدیم اکنون به جست و جوی او    نیست ما را زندگی[۱۵] بی روی او"
۲۵ گفت: "کی من[۱٦]مصطفیٰ را دیده ام؟    بلك او را از کسی نشنیده ام
۲٦ من ندیدم مصطفیٰ را مردمان    پس چه گویم من شمارا این زمان؟[۱۷]
۲۷ لیك سه روزی است آواز خروش    از میانِ کوه می آید به گوش
۲۸ می رسد در گوشِ من هر ساعتی    نالۀ یا امتی! یا امتی!
۲۹ جانور[۱۸] از نالۀ او خسته اند    از چرا کردن دهان را بسته اند
۳۰ هر زمان از دیده می ریزند آب[۱۹]    بسته اند از راه دیده راه خواب
۳۱ من نمی دانم که این آواز کیست؟    زین همه نالیدنش مقصود چیست؟"
۳۲ این سخن[۲۰] را چون شنیدند آن گروه    روی آوردند جمله سوی کوه
۳۳ شد نمایان در میان کوه غار[۲۱]    در درون غار آن صدر کبار
۳٤ سر به سجده مانده پیش بی نیاز    با خدای خویشتن می گفت راز
۳۵ بس که رفته از دو چشمش خونِ دل    روی پاك او فرو رفته به گِل
۳٦ گریه می کرد و همی گفت: "ای اله[۲۲]    تا نبخشی امتانم را گناه
۳۷ من نبردارم سر خود از زمین    تا به روز حشر مانم[۲۳] این چنین"
۳۸ این چنین می گفت، می نالید زار    اشك می بارید چون ابر بهار

٣٩ چون شنیدند این فغانش را ز در / جمله را از ناله اش خون شد جگر[٢٤]

٤٠ گفت صدیق: "ای شفیع المذنبین / از کَرَم بردار سر را از زمین

٤١ آنچه من در عمر طاعت کرده ام / آنچه در دنیا عبادت کرده ام

٤٢ آن ثواب او برای امتان / دادم ای پیغمبر آخر زمان"

٤٣ گفت حضرت: "که اطاعت دیگر است / کارِ امت را شفاعت دیگر است"[٢٥]

٤٤ گفت پیغمبر مر او را: "کای رفیق[٢٦] / گرچه هستی بنده را یار و شفیق

٤٥ لیك زان شفقت نباشد هیچ نفع[٢٧] / این خطا با این نگردد هیچ دفع"[٢٨]

٤٦ بعد زان خطاب عادل همچنان / گفت: "ای غمخوار جمع عاصیان

٤٧ چونکه خود فرموده بودی بارها / عدل بهتر از جمیع کارها

٤٨ هر عدالت کز من[٢٩] آمد در وجود / وان چه کردم در جمیع عمر سود

٤٩ کردم این جمله[٣٠] فدای امتان / غم مخور دیگر برای امتان

٥٠ لطف کن سر را ببردار از زمین / تا ببینم آن جمالِ نازنین"

٥١ گفت حضرت: "این سخن نبود روا / عدل تو درد مرا نبود دوا"[٣١]

٥٢ بعد زانش گفت عثمان این چنین: / "کای پیمبر[٣٢] سر ببردار از زمین

٥٣ آنچه من خیرات کردم در جهان / آنچه قرآن جمع کردم اجر آن

٥٤ جمله را دادم به امت ای رسول / التماس بنده را می کن قبول"

٥٥ گفت: "نگشاید به اینها کار من / کی به این آسان شود[٣٣] دشوار من؟"

٥٦ بعد زان گفتش علیِ مرتضیٰ / از سر اخلاص پیش مصطفیٰ:

٥٧ "آنچه کردم از غذا در راه حق / وان چه کردم خیر در درگاه حق

٥٨ صرف کردم امتانت را همه / امتانِ عاصیانت را همه[٣٤]

٥٩ از سرِ لطف و کرم سر وا بکن / از مقام[٣٥] خویشتن ماوا بکن

٦٠ تا همه گردیم از تو مستفید نامرادان را مگردان ناامید"
٦١ گفت پیغمبر: "کزین ها سود نیست هیچ زین بخشش مرا بهبود نیست
٦٢ زین سخن مقصود حاصل کی شود؟ بنده را مطلوب[٣٦] حاصل کی شود؟"
٦٣ هر کسی اعمال خود را نفل و فرض[٣٧] پیشِ حضرت گر چه می کردند عرض
٦٤ عرض ایشان را نیفتادی[٣٨] قبول یکدم از گریه نیاسودی رسول
٦٥ این عزیزان را نشد چون آبرو جمله عاجز آمدند از گفتگو
٦٦ چون نشد مقصود حاصل زین همه کس فرستادند پیش فاطمه
٦٧ جمله می گفتند از کِه تا به مِه: "ظاهراً از وی گشاید[٣٩] این گره"
٦٨ چون به آن خیرالنسا کردند خبر در زمان بگرفت چادر را به سر
٦٩ شد روان سوی پدر مانند باد پیش حضرت[٤٠] چون رسید آن حور زاد[٤١]
٧٠ دید او را در عجایب حالتی شد ازان حالت مر او را وحشتی
٧١ گفت: "ای بابا چرا گشتی چنین؟ از چه رو افتاده ای اندر زمین؟[٤٢]
٧٢ هیچ وقتی این چنینت خوار و زار کس ندیده بود زینسان بیقرار
٧٣ صبر می کردی همیشه در بلا این چنین در غم نبودی[٤٣] مبتلا"
٧٤ گفت حضرت: "چون نباشم[٤٤] این چنین نیست چیزی پیش من بدتر ازین
٧٥ آیتی آمد مرا وقت سحر امتانت را بسوزم در سقر
٧٦ در میان امتانت شیخ و شاب یك کسی خالی نماند از عذاب[٤٥]
٧٧ من ز مادر[٤٦] وز پدر بگذشته ام در دو عالم امتان را گفته ام
٧٨ تا که ایشان در سرای آخرت جملگی یابند از حق مغفرت[٤٧]
٧٩ چون رسید این حکم از پروردگار کی کنم قول دگر را اعتبار؟"[٤٨]
٨٠ فاطمه گفتا[٤٩]: "اگر از بهر این ای پدر گر این چنین باشی غمین

۸۱ غم مخور ای سرورِ پیغمبران  جان خود سازم فدای امتان[۵۰]
۸۲ آنچه کردم طاعت از بهرِ خدا  جمله را با امتان کردم فدا[۵۱]
۸۳ آنچه خواهم کرد طاعت بعد ازین  هم ببخشم، سر ببردار از زمین"
۸۴ گفت حضرت: "کار طاعت دیگر است[۵۲]  کردن امت شفاعت دیگر است
۸۵ کس به طاعت می کند خود را خلاص  کی تواند کرد کاری عام و خاص؟"
۸۶ فاطمه چون دید در روی پدر [۵۳]  گفت گویی زو نیاید کارگر
۸۷ گشت از پیش پدر چون نا امید  رو بسوی حق تعالی آورید
۸۸ سر برهنه[۵۴]کرد، در سجده نهاد  سیل خوناب از ره مژگان گشاد[۵۵]
۸۹ گفت: "ای پروردگار انس جان  دستگیر جملهٔ درماندگان
۹۰ ای خداوند کریم و کارساز  از نیاز اهل عالَم بی نیاز
۹۱ بیکسان را چون تویی فریاد رس  کی رسد غیر تو ما فریاد رس؟[۵۶]
۹۲ هم به حق حرمتِ اشكِ پدر  امتانش را ز دوزخ درگذر[۵۷]
۹۳ هم به حق آبِ چشم این فقیر  امتانِ عاصیان را دستگیر[۵۸]
۹۴ این کنیزك را خدایا شاد کن  جمله امت را ز غم آزاد کن"
۹۵ اندران دم هم بیامد جبرئیل[۵۹]  مژده ای آورد از ربِّ جلیل
۹۶ گفت: "می گوید خدا وند، ای رسول  من دعایِ فاطمه کردم قبول
۹۷ جمله امت را بیامرزیدمش  از سرِ لطف و کرم بخشیدمش[۶۰]
۹۸ چون شفیع آورد ما را آب چشم  آبِ چشم از ما فرو بنشاند خشم
۹۹ گر طلب کردی همه اهل جهان  جمله را بخشیدمش در یك زمان"
۱۰۰ چون رسید[۶۱] این مژده از روح الامین  بعد زان برداشت سر را از زمین
۱۰۱ تا نبخشید امتانش را خدا  آن علو همت نجنبیده ز جا[۶۲]

۱۰۲ازآبِ چشم مصطفٰی و فاطمه مغفرت شد امتان را خاتمه
۱۰۳گر نبودی مصطفیٰ پشت و پناه بود حالِ مردمِ عالَم تباه
۱۰٤امتان را مهر آن خیرالبشر بیشتر از مادر است و از پدر[٦٣]
۱۰٥لطفش ار ما را نبودی دستگیر[٦٤] جمله می گشتیم در دوزخ اسیر
۱۰٦هر کسی کو دوستدارِ مصطفیٰ است دوستدارِ چار یارِ با صفا است
۱۰۷حُبِّ ایشان می دهد ز آتش نجات هر نفس بر روح ایشان صد صلوٰة[٦٥]
۱۰۸هست نظم پیرِ رُومیِّ فقیر از کَرَم او را خدایا دستگیر[٦٦]

## اختلاف نسخ خطی:

۱ـ ب: یاد دارم، ۲ـ ب: به تقدیر خدا، ۳ـ این ندا ، ٤ـ به: بیت ندارد، ٥، ب: ای،
٦ـ ب: بیت ندارد، ۷ـ ب: زیشان، ۸ـ ا: ندیدیش، ۹ـ ب: سه روز ، ۱۰ـ ا: ز درد
۱۱ـ ب: خطاب، ۱۲ـ ا: شد برون از حجره کس دیگر ندید، ۱۳ـ ا: یك چوپان،
۱٤ـ ب: گر، ۱٥ـ ب: نیست اکنون زندگی، ۱٦ـ ب: من کی، ۱۷ـب: بیت ندارد،
۱۸ـب: جمله حیوان، ۱۹ـ ب: بارند آب، ۲۰ـ ب: این خبر، ۲۱ـ ا: کوه زار ،
۲۲ـ ا: گریه می کرد و همی گفت اله، ۲۳ـ ب: حشر باشم، ۲٤ـ ب: خونین جگر
۲٥ـ ب: بیت ندارد، ۲٦ـ ب: نادر رفیق، ۲۷ـ ب: هیچ هیچ، ۲۸ـ ب: هیچ هیچ،
۲۹ـ ۱: هم عدالت کز زمن، ۳۰ـ ب: جمله را کردم، ۳۱ـ ب: بیت ندارد،
۳۲ـ ا: ای پیغمبر ، ۳۳ـ ا: بود ، ۳٤ـ ب: بیت ندارد، ۳٥ـ ب: در مقام، ۳٦ـ ا: مقصود،
۳۷ـ ا: اعمالِ خود نفل و فرض، ۳۸ـ ا: عرضه ایشان نیفتادی، ۳۹ـ ب: ازوی بر آید،
٤۰ـ ب: پیش پدر، ٤۱ـ ب: نیك زاد، ٤۲ـ ب: بنهاده ای سر برزمین،
٤۳ـ ب: هرگز نبودی، ٤٤، گفت چون نباشم، ٤٥ـ ب: چون شوند ایشان گرفتار عذاب،
٤٦ـ ب: چو ز مادر، ٤۷ـ ب: بیت ندارد، ٤۸ـ ب: بیت ندارد، ٤۹ـ ب: فاطمه گفت،
٥۰ـ ب: فدای جانِ شان،

۵۱ـ ب: آنچه طاعت کرده ام بهر خدا آنچه کردم پروی از مصطفا

۵۲ـ ب: گفت حضرت را که طاعت دیگر است، ۵۳ـ ا: وزنزد پدر، ۵٤ـ ب: رو برهنه،

۵۵ـ ا: سیل خون نابه ز مژگانش گشاد، ۵٦ـ ا: با فریاد کس، ۵۷ـ ب: از گناه امتانش در گذر،

۵۸ـ ب: هم به حق ذات پاك مصطفی امتان عاصیش را کن رها

۵۹ـ ب: اندران ساعت بیامد جبرئیل، ٦۰ـ ب: بیت ندارد، ٦۱ـ ب: شنید،

٦۲ـ ا: نجنبیدش زجا، ٦۳ـ ب: بیت ندارد، ٦٤ـ لطفِ او را گر نبودی دستگیر،

٦۵ـ ب: بیت ندارد،

٦٦ـ ا: هست گفت این پیر رومی فقیر پادشاها از کرم خود دستگیر

## یادداشتها:

(۱) نوشاهی، سید خضر عباسی (۱۳٦۵ش)، فهرست نسخه های خطی فارسی، کتابخانه دانشگاه پنجاب لاهور، گنجینهٔ آذر، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد

مثنوی در حکایت پیمبر (ص) بدون عنو انها در ۱۰۸ بیت

آغاز: یك حکایت یاد آمد از رسول
باد مقبول همه اهل قبول

انجام: هست گفت این پیر رومی فقیر
پادشاها از کرم خود دستگیر

(۲) F؛ ۹/۸۳۰۳: نستعلیق معمولی، (عبدالقادر، ۱۲۵۳ق) نشان ها شنگرف، در مجموعه گ ٦۱م ٦۵، ۵ ش

بشیر حسین، محمد (۱۹٦۸ م) فهرست مخطوطات شیرانی، جلد اول، ادارهٔ تحقیقات پاکستان، دانشگاه پنجاب، لاهور، ص ۱٦۹، شماره۷ نسخهٔ خطی ۵/ ۹۵۹ / ٤۰۱۱

آغاز: یك حکایت یاد دارم از رسول

باد مقبول همه اهل قبول

انجام: هست نظم پیر رومی این فقیر

از کرم او را خدایا دستگیر

(۳) منزوی، احمد (۱۳٦٦ش/ ۱۹۸۷م)، فهرست مشترك نسخه های خطی فارسی پاکستان، مجلد ۸، منظومه ها (۲)، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد، ص ۱۵۱۰

مثنوی است در صد بیت، در حکایت به خشم در آمدن خداوند، از به خواب رفتن پیامبر (ص)، به کوه رفتن و مناجاتِ ایشان و حضرت زهرا (ع)، و پذیرفته شدن مناجات حضرت فاطمه (ع) آغاز:

يك حكايت ياد دارم از رسول

باد مقبول همه اهل قبول

☆ اسلام آباد، گنج بخش ۸٦٤۳: نستعلیق پخته، سده ۱۱ـ۱۲ه (صW ـ ۸۲ هامش) آغاز و انجام برابر نمونه

☆ اسلام آباد، همانجا، ۱۱۰۵۳: نستعلیق تحریری راسته و چلیپا، (۱۱٤۸ه) آغاز براب، ۹٦ بیت است. (ص ۱٦٥ ـ ۱٦٦)

☆ اسلام آباد، همانجا، ۹۵۳۹: نستعلیق راسته و چلیپا، سده ۱۲ه، آغاز برابر (ص۱۷۱ـ۱۸۲)

☆ اسلام آباد، همانجا، ۹۷۰۷: نستعلیق چلیپا. سده ۱۲ق، آغاز برابر، انجام افتاده (ص ۱ ـــ)

☆ لاهور، دانشگاه، آذر ۸۳۰۳/ ۹ـF : نستعلیق، (عبدالقادر، ۱۲۵۳ه) آغاز برابر (گ ٦۱ـ٦۵) (خضر نوشاهی: ۳۰۳)

☆ وهاری، میلسی، کتابخانه سردارجهندیر: نستعلیق، غلام حیدر بن غلام رسول، ۹ شعبان ۱۳۲۷ه / ۱۹ اکتوبر ۱۹۰٤م)، آغاز برابر، روی هم ۹٦ بیت است (نعیم اختر مجددی)

☆ لاهور، دانشگاه، شیرانی ٥/ ١٩٥٩ / ٤١٠١١ : تاریخ یاد نشده، آغاز و انجام برابر نمونه(بشیر حسین: ١)

(٤) خانم شبانه سحر در پایان نامه ای برای اخذ درجهٔ دکتری به عنوان "استقبال مثنوی معنوی در پاکستان و هند" که به شماره T ، pi ، vi 88 در کتابخانهٔ مرکزی دانشگاه لاهور نگهداری می شود، اثر یادشده را سرودهٔ بهونی داس دانسته است ( شبانه سحر، ٤٠٤ـ٤٠٩ ) که ظاهراً اشتباه به نظر می رسد.

## کتابشناسی:


- بشیر حسین، محمد ( ١٩٦٨ م) فهرست مخطوطات شیرانی، جلد اول، ادارهٔ تحقیقات پاکستان، دانشگاه پنجاب، لاهور
- شبانه سحر (٢٠٠٨م) استقبال مثنوی معنوی در پاکستان و هند، پایان نامهٔ دکتر فارسی شماره T ، pi ، vi 88
- منزوی، احمد (١٣٦٦ش/ ١٩٨٧م)، فهرست مشترك نسخه های خطی فارسی پاکستان، مجلد ٨، منظومه ها (٢)، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد، ص١٥١٠
- نوشاهی، سید خضر عباسی (١٣٦٥ش)، فهرست نسخه های خطی فارسی، کتابخانه دانشگاه پنجاب لاهور، گنجینهٔ آذر، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد

Majallah Tahqiq
Research Journal of
the Faculty of Oriental Learning
Vol: 35, Sr.No.94, 2014, pp 97 - 104

مجلّہ تحقیق
مجلّہ کلیہ علوم شرقیہ
جلد ۳۵، جنوری۔ مارچ ۲۰۱۴ء، شمارہ ۹۴

# شاہ حسین دی صوفیانہ شاعری تے پنجاب

ڈاکٹر ناہید شاہد☆

**Abstract:**

Punjab is the land of Sufis and saints.The classical Punjabi poetry revolves around the basic theam of Sufism. Shah Hussain is truly known as the piller of Punjabi poetry. He has discussed local issues, social problems, ethical and moral values in his poetry. In this article the great impact created by his sufi poetry on Punjabi culture has been analysed.

**Key word:** Shah Hussain, Punjabi Poetry, Sufism, Punjab.

صوفیانہ فکر دے حوالے نال پنجاب دی دھرتی اک نویکلتا تے اُچیچ رکھدی اے۔ جے ایتھوں دے شاعراں، دانشوراں تے ادیباں اپنے آپ نوں صوفیانہ طرزِ عمل دے راہیں نہ صرف پچھانیا سگوں ایتھوں دے لوکاں دی حیاتیاں وچ اپنی ایسے فکر راہیں انقلاب برپا کیتا۔ ایہو وجہ اے جے اج وی مزاراں، درگاہواں تے خانقاہی نظام اپنیاں بعض انفرادی تے شخصی کمزوریاں دے باوجود قائم اے تے اج وی اجیہے نیک تے اللہ واصل بندے کراہے پئی مخلوق نوں سدھے راہ لان دا کم کر رہے نیں۔

---

☆ ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ پنجابی، پنجاب یونیورسٹی لاہور

پنجابی دی صوفیانہ شاعری دامُڈھ بابا فریدؒ دے شلوکاں توں بجھدا اے جیہناں دو دو ٹکاں وچ روحانی تے انفرادی تجربیاں تے مشاہدیاں نوں انج بیان کیتا جے اوہ سُنن والے دے من وچ اُتر دے چلے گئے۔ کدے اوہناں موت دا چیتا دوا کے انسان نوں کُراہے پین توں روکیا تے کدے انسان نال محبت دے پیغام نوں عام کیتا:

جندو ووہٹی مرن ور لے جاسی پرناءِ
ملک جو کنیں سُنیں دا منہ وکھا لے آءِ

یا:

فریدا جے توں عقل لطیف کالے لکھ نہ لیکھ
اپنے گریبان میں سِر نیواں کر ویکھ

بابا فریدؒ نے انسان نوں اپنی پچھان ول پریریا، تاں جے اوہ حیات تے کائنات دے رازاں نوں جان سکے تے اوہنوں اوس ازلی سوال دا جواب مل سکے۔ جے اوہ کون اے؟ کیوں اے؟ تے اوہدا مقصد کیہ اے؟ بابا فرید دی شاعری دے وکھو وکھ رنگ تے انگ نیں پر ایہناں سب تے غالب علامتی رنگ اے۔ جے پہلی وار اوہناں اک اجیہی بوطیقا دریافت کیتی جیہڑی ایتھوں دے سماجی تے معاشرتی ڈھانچے نال پوری طرح مطابقت رکھدی سی پر بابا جی ورگے اسلامی شریعت دے پابند انسان نے ایس بوطیقا وچ اسلامی تصوف دی روح نال اوہنوں ہمیش لئی زندہ جاوید بنا دتا۔ بابا فرید دے مرتب کیتے ایسے صوفیانہ نظام تے بیان ڈھنگ علامتی اظہار دے بیج وچوں پنجابی دی صوفیانہ شاعری دا اک تناور درخت وجود وچ آیا جیہدی تازگی اج وی برقرار اے۔ صوفیانہ رنگ دے ایس تناور رُکھ دا نویکلا شاعر شاہ حسین وی اے۔ جیہڑا فرید دے چھوئے پینڈیاں تے اپنی طرز تے ٹور نال سفر کردا وکھالی دیندا اے۔ شاہ حسین دا کمال ایہہ وے کہ اوس بابا جی دے دسے اسلوب دی پیروی وی کیتی پر اپنا رنگ تے روپ انج نکھاریا جے علامتاں تے رمزاں دے پینڈے ہور مضبوط ہوئے۔

حسین 945ھ بمطابق 1538ء نوں لاہور وچ پیدا ہویا۔(1) حقیقت الفقراء دے مصنف دے مطابق اوہدے والد دا ناں شیخ عثمان سی تے اوہ روٹی روزی لئی کپڑا اُبندے سن۔ والد ولوں اوہ کلس رائے تے ماں ولوں ڈھڈی راجپوت سن۔ ایہہ خاندان کئی ورھیاں توں لاہور دا واسی

سی۔ اج کل دے اندرون ٹکسالی دروازے دا اوس ویلے ناں تلہ بگھ یا تل بھوگا سی۔(2)

حسین نے اپنے آپ نوں اپنے کلام وچ جولاہا وی کہیا اے، فقیر وی آکھیا اے، نمانا وی آکھیا اے تے شاہ حسین وی آکھیا اے۔ حسین نے مولوی ابوبکر کولوں قرآن مجید حفظ کرنا شروع کیتا۔ جدوں حسین نے ست سپارے حفظ کر لئے تے اک دن افغانستان توں ہوندے ہوئے اک درویش بزرگ حضرت شیخ بہلول دریائیؒ لاہور وچ مولوی ابوبکر کول پہنچے۔ ایتھے اوہناں دی ملاقات حسین نال ہوئی تے حسین دی ذہانت، عجز تے شوق ویکھ کے اوہناں اوہدے اُتے خاص نظر کر دتی۔ اوہناں دے حکم موجب حسین حضرت داتا گنج بخشؒ دے مزار اُتے حاضریاں بھرن لگ پیا۔ عشق دیاں منزلاں طے ہون لگ پئیاں تے رات نوں راوی دے پانی وچ کھلو کے پورا قرآن مجید ختم کرنا اوہدا معمول بن گیا:

> ''981ھ وچ شاہ حسین شیخ سعد اللہ توں تفسیر پڑھ رہیا ہوندا اے۔ جدوں ایہہ آیت آئوندی اے **وما الحیوٰۃ الدنیا الا لھو ولعب** (دنیاوی زندگی لہو ولعب ہے)۔ استاد کولوں مطلب پچھدا اے تے پھیر ایس نتیجے تے اپڑدا ہے کہ ایہہ جیون کھیڈ تماشہ ہے ہور کجھ نہیں، تے ایتھوں ای عالم فاضل شیخ حسین مست ہو جاندا ہے۔''(3)

ایس توں اگانہہ شاہ حسین نال کیہ تے کیویں بیتی لکھن والیاں بہت کجھ لکھیا اے۔ کجھ ایہنوں کراماتاں والا بزرگ تے کجھ ایہنوں ملامتیہ سلسلے دا رُکن جان دے نیں۔ گل کیہ حسین دی ایہہ کیفیت اوہدی شخصیت واسطے اک انقلاب توں گھٹ نہیں۔ حقیقت الفقراء دے مصنف شیخ محمود ایس حوالے نال بڑے واقعات لکھے نیں۔ جیہناں نال عقل تے سوچ بہت کجھ جاندیاں ہویاں وی کجھ نہ سمجھن دی منزل تے اپڑ جاندی اے۔ حسین دے بارے وچ لکھن والیاں اوہدے صوفی عالم فاضل تے درویش ہون بارے تے بہت کجھ لکھیا اے پر اوہدے شاعر ہون بارے کوئی پکی پیڈی گل سامنے نہیں آئوندی۔ نور احمد چشتی ہوراں نے حسین دی فارسی شاعری دی وی دس پائی اے۔(4) پر اوہناں دی پنجابی شاعری بارے سوائے ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ دے ہور کوئی حوالہ نہیں لبھدا۔ ڈاکٹر

موہن سنگھ دیوانہ لکھدے نیں:

''ایہہ شبد تے شلوک جیہڑے میں دتے ہن، ایسی پستک (کتاب) وچوں ہن جیہڑی اک سندھی نے ہندوستان دیاں ہندو، مسلمان، سکھ سنتاں، سادھاں، صوفیاں دے معتبر کلام اُتے تیار کیتی سی تے اوہ نسخہ اوہدے کسے خاندان نے چر ہویا چھپوایا سی۔ ایہناں دا باقی ساریاں مجموعیاں نالوں وڈا صحیح صاف ہونا، ایہناں دے پڑھن توں ہی پرتیت ہو جاندا ہے۔ جیہناں وکھ تھانواں توں مینوں ہور شبد ملے ہن اوہ قریب قریب سارے ایس اکٹھ وچ آ گئے ہن۔''(5)

شاہ حسین دی پنجابی شاعری دی ایہہ کتاب (مکمل کلام شاہ حسین لاہوری) 1942ء نوں شاہ مُکھی وچ چھپی۔ ایس کتاب دا دیباچہ پروفیسر ڈاکٹر مولوی محمد شفیع نے لکھیا سی۔ کلام شاہ حسین بارے ڈاکٹر نذیر احمد لکھدے نیں کہ ایس کلام دے ماخذاں وچوں سب توں اہم گرمُکھی پستک (کتاب) اے۔ جیہڑی کسے نامعلوم سندھی مولف نے مرتب کیتی تے ایہدے وچ شاہ حسین سنے 247 ہندو، سکھ، مسلمان فقیراں صوفیاں تے جوگیاں دا کلام راگاں نال جمع کیتا گیا۔ ایہہ کتاب 1900ء دے نیڑے تیڑے لاہور توں چھپی۔(6)

حسین دا مرن ورھا 1599ھ اے۔(7) راگ تے رنگ وچ رچی وسی اوہدی شاعری سینکڑے ورھے گزرن مگروں وی طلسماتی کیفیتاں دی حامل اے۔ حسین دی حیاتی جس ونو ون کیفیتاں توں لنگھی اے۔ جس طرح دا انقلاب تے جس طرح دیاں نفسیاتی اُلجھناں دا تذکرہ کتاباں وچ کیتا گیا اے یاں اوہدے مؤرخاں نے اوہدی جس طرح دی تصویر کھچی اے حسین دی شاعری اوہدے بالکل اُلٹ وکھالی دیندی اے۔ اپنی شاعری وچ شاہ حسین دی جیہڑی شخصیت اگھڑدی اے اوہ اک سدھے سادے عاجزی تے انکساری نال نکونک بندے دی اے۔ جیہڑا جھکیا ہویا اے، اپنی دھن وچ رُجھیا ہویا اے تے پل پل اپنی ایس صفت دا اظہار وی کردا اے۔ اپنے نفس دی پچھان دے ایس سفر وچ ٹُریا جاندا کدے ایہہ آکھدا اے:

ربا میرے حال دا محرم توں
اندر توں ہیں ، باہر توں ہیں ، روم روم وچ توں
توں ہیں تانا توں ہیں بانا، سبھ کجھ میرا توں
کہے حسین فقیر نمانا، میں ناہیں سبھ توں (8)

تے کدے:

عاشق ہوویں تاں عشق کماویں
راہ عشق دا سوئی دا نکا ، دھاگہ ہوویں تاں جاویں
باہر پاک اندر آلودہ ، کیہا توں شیخ کہاویں
کہے حسین جے فارغ تھیویں ، خاص مراتبہ پاویں (9)

حیاتی دے ونو ون روپ اوہدے سامنے نیں تے اوہ جان دا اے جے ایس حیاتی نے کدے وی قائم نہیں رہنا۔ ایہنے مُک جانا ایں۔ ایسے کر کے اوہ صوفیانہ طرزِ عمل مطابق اپنی روح نوں روح حقیقی نال جوڑن دا آسرا بھالدا اے۔ زندگی لامحدودیت دا ناں اے۔ جیویں کسے سمندر دا نہ کوئی کنارا ہوندا اے تے نہ ای اوہدی تہہ دا کوئی صحیح اندازہ لا سکدا اے۔ ایسے طرح ای انسان اپنے چھے (6) پاسے جے ویکھے تے ہر پاسے دا کوئی انت نہیں جان سکدا۔ انسان دی حقیقت ایسے لئی صوفیانہ فکر وچ پانی اُتے بُلبلے وانگ اے۔ جویں ایس بُلبلے وچوں ہوا نکلدی اے اوہ اپنی حقیقت گوا بہندا اے۔

حسین جدوں ایہہ آکھدا اے کہ ''ربا میرے حال دا محرم توں'' تاں خورے اوہ اپنی شناخت دے کسے پیچیدہ مرحلے توں لنگھ رہیا ہوندا اے۔ شناخت دے ایس عمل وچوں لنگھنا سوئی دے نکے وچوں لنگھن وانگ ای اے۔ دنیا تے آئے آدم نوں سوئی دے نکے چوں دھاگے وانگ ای لنگھنا پیندا اے۔ تاں ای اوہدا اندر تے باہر اک جیہا ہو سکدا اے تے دنیا داری دے بے وجہ دھندیاں توں فارغ ہویاں بغیر کوئی وی خاکی مرتبہ نہیں حاصل کر سکدا۔ نفس دی تعلیم تے تربیت تے دنیاوی حیاتی دی Abstruction نوں ایس طرح دے ای کسے علامتی سہارے نال بیان کیتا جا سکدا اسی تے حسین نے ایہہ منفرد سہارا خوبی نال دریافت کیتا۔ ''سوئی، دھاگے'' نال عشق تے عاشق

دی رمز اچانک کھُلدی اے تے ون سوّنے معنیاں دے دروازے کھول دیندی اے۔ پیکے تے سوہرے گھر دیاں رمزاں (جند دا ووہٹی تے مرن دا ور ہونا) دی گل حسین توں تقریباً تن سو ورھے پہلاں بابا فرید ہوراں نے کیتی سی پر حسین نے اپنی شاعری وچ پیکے تے سوہرے گھر دیاں علامتاں نال چرخے نوں انج جوڑیا اے جے ایہہ کائناتی تے آفاقی حداں نوں چھوہندیاں نظر آوندیاں نیں:

> ''چرخہ انسان دی حیاتی دے پورے Phase ول اشارہ کردا اے۔
> چرخے دی علامت انسانی وجود دی علامت دے طور تے کیتی جاسکدی اے۔''(10)

انج تے حسین دی شعری کائنات وچ علامتاں ای علامتاں نیں پر محض ایہناں تن علامتاں راہیں اسیں حسین دے صوفیانہ فکری نظام وچ داخل ہو سکنے آں تے اوہدیاں بظاہر سدھیاں سادیاں گلاں وچوں فلسفے تے منطق دے سبق پڑھ سکنے آں۔ حسین اک اجیہا شاعر اے جو حرکت تے عمل دا درس دیندا اے۔ اجیہے لوگ جیہڑے تصوف تے بے عملی دے پرچار دا مہنا دھردے نیں اوہ محض سُنی سُنائی گل آکھدے نیں۔ حالانکہ صحیح صوفی تاں اوہی اے جو عمل تے حرکت نوں زندگی دی روح سمجھ کے اپنے ایمان دا حصہ بنالیندا اے۔ ہاں ایہہ ضرور اے کہ صوفی دا رستہ وکھرا ہوندا اے۔ اوہ عام دنیا داراں وانگ حیاتی نہیں گزاردا۔ اوہدے تجربے تے مشاہدے اوہنوں دنیا توں دوری ول پریردے نیں۔ خورے ایس کر کے اوہ لوکائی توں وکھرا تے نویکلا ہوندا اے:

آتن میں کیوں آئی ساں، موری تند نہ پئی آکائے
آوندیاں اُٹھ کھیڈن لگیّ، چرخا چھڈیا جائے
کتّن کارن گوہڑے آندے، گیا بلیدا کھائے
ہورناں دیاں اڑیاں اٹیاں، نمانی اڑی کپاہے
ہورناں کتیاں پنج سَت پونیاں، میں کیہ آکھاں گی جائے
کہے حسین سچیاں ناریں، لین شوہ گل لائے(11)

شاہ حسین اجیہا شاعر اے جو شعر راہیں حرکت تے عمل دا پیغام وی دیندا اے تے

موت نوں اک حقیقت جان دا اے۔ اوہ زندگی نوں اک امتحان گاہ سمجھدا اے۔ ایسے کرکے اوہ آکھدا اے:

اک دن تینوں سپنا تھیسن گلیاں بابل والیاں وو
اُڈ گئے بھور پھُلاں دے کولوں ، سن پتراں سن ڈالیاں
جت تن لگے سو ای تن جانیں ، گلاں کرن سکھالیاں
رہ وے قاضی ، دل نہیوں راضی ، گلاں ہوئیاں تاں ہون والیاں
سو ای راتیں لیکھے پوسن ، جو نال صاحب دے جالیاں(12)

مُکدی گل ایہہ وے کہ پنجابی شاعری دے سفر وچ شاہ حسین اک اجیہیا مسافر اے جو اپنے آپ دی تلاش وچ نکلیا ہویا اے۔ اوہدی نفسیاتی کیفیتاں دا آشوب اوہنوں بے چین رکھدا اے تے اوہ کسے محرم دی تلاش وچ من دی تال اُتے گیت گاؤندا ٹُریا جا رہیا اے۔ ایہہ شاعری حیات بخش وی اے تے حیات افروز وی تے ایس دے نال ای نال ایس شاعری دا بیان ڈھنگ اپنے علامتی پیرائے وچ نویکلا وی اے تے روایت ساز وی۔

☆☆☆☆

## حوالے:


1- شیخ محمود المعروف محمد پیر: حقیقت الفقراء؛ مقصود پبلشرز لاہور، ص19

2- شاہ حسین: شفقت تنویر مرزا؛ لوک ورثہ اسلام آباد 1989ء ص25

3- نقوش لاہور نمبر ص413

4- شاہ حسین: شفقت تنویر مرزا؛ ص200

5- کافیاں شاہ حسین: مرتب محمد آصف خاں؛ پاکستان پنجابی ادبی بورڈ لاہور 2002ء ص13

6- کلام شاہ حسین: مرتب ڈاکٹر نذیر احمد؛ پیکجز لمیٹڈ لاہور، ص ک

7- ایضاً، ص ہ

8- کافیاں شاہ حسین: مرتب محمد آصف خاں؛ ص39

9- ایضاً، ص43

10- ڈاکٹر ناہید شاہد: پنجابی ادب وچ علامت نگاری، مقالہ برائے پی ایچ ڈی (پنجابی) 1996ء

11- کافیاں شاہ حسین: مرتب محمد آصف خاں؛ ص58

12- ایضاً، ص42

**Majallah Tahqiq**
Research Journal of
the Faculty of Oriental Learning
Vol: 35, Sr. No.94, 2014, pp 105 - 120

مجلّہ تحقیق
مجلّہ کلیہ علوم شرقیہ
جلد۳۵،جنوری۔مارچ۲۰۱۴ء،شمارہ۹۴

# شعر الرثاء لأهل البيت في العصر العباسي

☆ڈاکٹر محمد سلیم اسماعیل☆☆محمد عباس

**Abstract:**

The article deals with the lamentation Arabic poetry of Abbasid period.we can trace the roots of this kind of poetry from the early period of Humanism as we find lament poetry in Hebrew Bible Lament poetry has been composed to express emotions of sorrow, sadness and grief for the loss of noble persons. It is observed that one of the richest field of Arabic poetry is the poetry of lament even Harat Hassan bin Sabit (poet of Hazrat Muhammad peace be upon Him)composed lament poetry in the battle field of Ohad.It is observed that poets of all Muslim school of thoughts were engage in composing the poetry of lament as Imam al- Sahafiee, Daibel bin Ali alkhazai, Deek -ku -ljin, Shareef al-razee and Imam Boseeri etc. have contributed in this field.The article shows that all Muslim doctrines respect the Holy family of Holy prophet (peace be upon Him), and there is no dispute regarding their status and dignity among them.The article will pave the way for removing hindrances regarding unity and harmony among Muslims.

إنّ الشّعر فهو إظهارالعواطف القلبية والكلام الموزون المقفّى المعبّر عن الأخيلة البديعة والصّورالمؤثّرة والبليغة ، وله لونٌ بارزٌ من ألوان التعبير وشأنٌ عظيمٌ بين الآثار الأدبية في الأدب العربي۔والرثاء هوفنٌ من فنون الشعر ، وهو مدحٌ

☆ اسٹنٹ پروفیسرشعبہ عربی و اسلامیات ،گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد۔
☆☆ ریسرچ سکالر۔شعبہ عربی و اسلامیات،گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد

للميت بما كان يتّصف به من صفات : كالكرم ، والشّجاعة ، والشرف والسيادة وقيل: هوالبكاء على الميّت ، وندبه ، وإظهار التفجّع لوفاته ، وتعديد محاسنه ، وتصديره عن عاطفة الحزن ـوقد عرف دكتور جواد على للرثاء:

"وكلمة الرثاء الكلمة الجاهلية وهى تعنى بكاء الميت وتعديد محاسنه،ونظم الشعر فيه،ويقال للمراة النواحة،والتى ترثى بعلهااوغيره من الاقارب والاعزاء ممن يكرم عنده"الرثاء"ـواما "المناحة"،فهى اجتماع النساء فى مناحة لاظهار حزنهن على الميت---"ـ(١)

وقد بعث اللّه سبحانه وتعالى سيّدنا محمدﷺ مبشرا ورحمة وسراجاً ومنيرا الينا و قد تشرّفت به أسرته، فانّ الأسرة النبويّة هيشجرةالنبوّة ، وموضوع الرسالة ، وبيت الرحمة، ومعدن العلم كما قال اللّه تعالى﴿ اِنَّمَايُرِيْدُاللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا۔ ﴾ (٢)فأهل البيت أو آل البيت مصطلح إسلاميّ يشير إلى جماعةٍ من أقرباء سيّد المرسلين ﷺ،مطهّرين ومزكّين وذكرهم القرآن الكريم فيآية التطهير وذكرهم الرسولﷺ فيعدّة نصوصٍ واردةٍ عنه ؛ والمراد بأهل البيت عامّةً أزواج الرسولﷺ وأولادهنّ ﷺ وخاصّةً وهو سيّدنامحمّدﷺ ،والسيّدة فاطمةؓ الزهراء ، وسيّدناعليؓ المرتضى، وسيّدناحسنؓ المجتبى، وسيّدنا حسين رضياللّه عنهـ واتفق الترمذيوابن جريروابن المنذروالحاكم وابن مردويه والبيهقي بهذه الرواية،كماروي عن أمّ سلمةؓ قالت: في بيتي نزلت ﴿ اِنَّمَايُرِيْدُاللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا۔﴾(٣) و كذاأخرج ابن جرير،وابن أبى حاتمٍ،والطبراني عن أبي سعيد الخدريّ رضي اللّه عنه قال قال رسول اللّهﷺ : نزلت هذه الآية﴿ اِنَّمَايُرِيْدُاللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا﴾في خمسةٍ:"فيّﷺ ،وفي فاطمةؓ ،وفيعليؓ ،وفيالحسنؓ، والحسينؓ"ـ (٤)

و ذكر الإمام الحاكم في مستدركه قول النّبىﷺفي مناقب أهل البيت ، فقال:" قال النبىﷺ: مثل أهل بيتي كمثل سفينة نوح عليه السّلام من ركبها فنجا ومن تخلّف عنها غرق ، وهلك " ـ (٥)

فهدفنا فى هذه المقالة الوجيزة ،لتقديم المعلومات حول الرثا ء لاهل البيت

وتطوره فى العصر العباسى ـوقد تطوّرالرثاء لأهل البيت في كلّ عصرٍ و مصرـ فبذلوا الشعراء جهودهم رثاءاً لأهل البيت فى لغاتهم، وأفنوا حياتهم في هذاالمجال ـوالادب العربى العباسى مملوء بالرثاء لاهل البيتـ سنذكر عدة من شعراء العرب الّذين قدّموا رثاء هم لأهل البيت وعاشوا فيالعصرالعباسي ،ومن اشهرهم :الامام الشافعى و دعبل بن علي الخزاعي،وعبدالسلام بن رغبان المعروف بديك الجن، والسيّد الشريف الرضي،ومهيار بن مرزويه الديلمي،وأبوالأسود الدؤلي ،والحسين بن علي الطغرائي ، ومحمد بن سعيد البوصيري ـ

## رثاء الامام الشافعي : (١٥٠ﻫ......٢٠٤ﻫ)

أبوعبدالله محمد بن ادريس الشافعيالقرشي هوثالث الآئمّة الأربعة عند أهل السنة والجماعة ، وصاحب المذهب الشافعي فيالفقه الاسلامي ، ومؤسس علم أصول الفقه ، وهوإمام في علم التفسيروعلم الحديث ،وقدعمل قاضيًا فعرف بالعدل والذكاء ، وكان الشافعي شاعرًافصيحًا ، وله ديوان، وفى شعره يتناول الحكمة ومناجاة الخلق والدعاء والاستغفاروالتندّم علىٰ المعاصي وفي مدح أهل البيت ورثائهم ـ (٦)

وقد رثى الإمام الشافعيلسيّدناالحسينؓ قائلًا :

تأوّه قلبي والفؤاد كئيبٌ و أرقّ نومي فالسهاد عجيب
فمن مبلغٌ عنّي الحسين رسالة وان كرهت أنفسٌ و قلوب
ذبيحٌ بلا جرمٍ كأنّ قميصه صبيغٌ بماء الارجوان خضيب
و ممّا نفى نومي و شيّب لمّتي تصاريف أيّامٍ لهنّ خطوب
تزلزت الدنيا لآل محمدٍ وكادت لهم صمّ الجبال تذوب
يصلي على المبعوث من آل هاشم ويغزىٰ بنوه إنّ ذا لعجيب
لئن كان ذنبي حبّ آل محمد فذلك ذنبٌ لست عنه أتوب
هم شفعائي يوم حشري و موقفي إذا ما بدت للناظرين خطوب(٧)

وقدرثى الإمام الشافعي بسيّدنا الحسينؓ ويظهرحبّه العميق ، وألمه الشديد ، وفؤاده الكئيب ، وحزنه الوجيع وافجاعه العميق ؛ ثمّ يذكرمصائب آل محمّدٍ خاصةً لسيّدنا الحسينؓ أي كانت المصائب صُمٌّ من الجبال وأيضًا يذكرالحقائق التاريخية في

شعره بانّ الكواكب قد اقشعرت بعد استشهاده كما أخرج الطبراني عن عيسى بن الحارث الكندي قائلاً:

" لمّا قُتل الحسينؓ مكثنا سبعة أيّامٍ اواصلين العصر نظرنا إلى الشمس على أطرف الحيطان كأنّها الملاحف المعصفرة ونظرنإلى الكواكب تضرب بعضها بعضًا ' وكذلك ذكر كيف فعل اللّه بقاتليه وكيف صبّ اللّه عليهم من الخزي والعار والنكال قبل يوم القيامة وصار ذلك عبرةً لأولي الأبصار"۔(۸)

## رثاء دعبل بن علي الخزاعي لآل البيت عليهم السلام

هو دعبل بن على الخزاعى الشاعر المشهور ،روى عن مالك بن انس وغيره،روى عنه اخوه على بن على،وله كتاب فى الشعراء و مدح الخلفاء والملوك۔وقد اجازه عبد الله بن طاهر على ابيات ستين الف درهم۔۔۔ وتوفى فى رمضان۔(۹)

يا قبر فاطمة الذي ما مثله     قبرىٌ بطيبة طاب فيه مبيتا
اذ فيك حلت بضعة الهادي     تجلّىٰ محاسن وجهها حلّيتا
ان تنأ عنه فما نأيت تباعدا     أولم تبن بدرا فما أخفيت
فسقىٰ ثراك الغيث ما بقيت به     لمع القبور بطيبة و بقيتا
فلقد بريّاها ظللت مطيّبا     تستاف مسكا في الأنوف فتيتا
ولقد تأمّلت القبور و أهلها     فتشتّت فكري بها تشتيتا
كم مُقربٍ مقصىً وكم متباعد     مُدنىً' فساورت الحشا عفريتا (۱۰)

وقد خاطب الشاعرقبرالسيّدة فاطمةؓ الزهراء فيهذه القصيدة ،أي قبرفاطمة خيرٌ من مقابرأخرىٰ ومبيتٌ في القبر خيرٌ من عالم كلّه ' ولقبرها مكانةٌ عظيمةٌ بأنّها دُفنت فيه ثمّ يدعواللّه أن يرحم عليها' ثمّ يقول: إن بعدت عنّا بالتدفين لكن مابعدت عن قلوبنا ۔

وقدرثىٰ دعبل بن علي الخزاعي لسيّدنا عليؓ المرتضى ذكراً فضائله ومناقبه في الأبيات التالية :

وإنّك إن غبت عنّي و لم     أجدلي سوىٰ ذكر قلب و فم
لي اللّه ثم النبي الكريم     وأكرم صهرٍ له و ابن عم
قسيم الجهيم: فهذا له     وهذا لها' باعتدال القسم

وساقي الوفود بيوم الورود علىٰ كوثر ماؤه قد شبم
يذوذ عن الحوض أعداء ه فكم من لعينٍ طريدٍ و كم!
فمن ناكثين ومن قاسطين، و من مارقين، و من مجترم
إذ قال (أحمد) صبحي، يقا لُ لم تدر ما أحدثوا في الأمم
فيدعو ببُعدٍ وسُحقٍ لهم و يسحب فيهم لذات الضّرم
سلامٌ بالغداة وبالعشيّ علىٰ جدثٍ بأكناف (الغريّ)
ولا زالت غزال النور تزجي اليه صبابة المزن الرويّ
ألا يا حبّذا تُربٌ (بنجد) و قبرٌ ضمّ أوصال (الوصيّ)
وصيّ (محمّد) بأبي وأمّي وأكرم من مشىٰ بعد النبي
لئن حجّوا إلى البلد القصي فحجّي ما حييت إلى (عليّ)
سنان (محمّد) في كلّ حرب إذا نهلت صدور السمريّ
وأوّل من يجيب إلى براز إذا زاغ الكميّ عن الكميّ
مشاهد لم تفل سيوف (تيم) بهنّ ولا سيوف بني (عديّ)(١١)(٦)

يخاطب الشاعرفيهذه الأبيات بسيّدنا عليّؓالمرتضى، ياأباالحسن، أنت ليس موجود فينا اليوم، لكن نذكرك بقلوبنا ولساننااونتيقّن بذكرك ،فنجد فلاحاً وفوزًا في الدارين ؛ ياأباالحسن ، أنت قسيم الجحيم و أنت ساقي الوفودعلى الحوض الكوثر، وأنت تبعد وتطرد كلّ لعين ، وناقض العهد ، وقاسطٍ ، وجابرٍ، ومارقٍ ومجرمٍ فيقضي ابن عمّك سيّد المرسلينﷺبقضائك ببُعد الأعداء ؛ وأيضًايسلّم الشاعرسيّدنا عليّؓ المرتضى ويدعواللّه تعالىٰ أن يسلّم عليه صباحًا ومساءًا وأن ينوّر روضته، ثمّ يمدح قبره ثمّ يُفدي أباه وأمّه وفي نهاية الأبيات يذكر فضائله ومناقبه وقال: هو جرئ النفس ، وفاتح كلّ حربٍ ، وأوّل من آمن بالرسول الكريم وأيضًا شرّفه اللّه بصهره۔

وكذا رثى الشاعرلسيّدنا عليّؓ المرتضى ذكراًفضائله ومناقبه في قصيدة ثانية :

واقصد بكلّ مديح أنت قائله نحو الهُداة بني بيت الكرامات
في حُبّ آل المصطفىٰ ووصّيه شغلٌ عن اللذّات و القينات
إنّ النّشيد بحُبّ آل (محمّد) أزكى وأنفع لي من القُنيات

هم نقضوا عهد الكتاب و فرضه ... و محكمة بالزور والشبهات
تراثٌ بلا قُربى وملك بلا هُدى ... وحكم بلا شوریٰ بغير هُداةٍ
ولو قلّدوا الموصى إليه زمامها ... لزُمّت بمأمونٍ من العثرات
أخا خاتم الرسل المصفّى القذى ... ومفترس للأبطال في الغمرات
وآي من القرآن تُتلى بفضله ... وايثاره بالقوت في اللّزبات
وفكّ عریٰ صبري وهاجت صبابتي ... رسوم ديارٍ قد عفت و عرات
ديار (عليّ) و (الحسين) (وجعفر) ... و حمزة والسجّاد ذي الثفنات
وسبطي رسول اللّه وابني وصيّه ... و وارث علم اللّه والحسنات
فيا وارثي علم النبي وآله ... عليكم سلامٌ دائم النّفحات
هم أهل ميراث النبي إذا اعتزوا ... وهم خير قادات و خير حُماة
و عدّوا عليًّا ذا المناقب والعُلا ... و(فاطمة الزهراء) خير بنات
وليّهم صنو النبي (محمّد) ... ( أبوالحسن) الفرّاج للغمرات
سأبكيهم ما حجّ لله راكبٌ ... و ما ناح قمري على الشجرات
سأبكيهم ما ذرّ في الأفق شارقٌ ... و نادى منادي الخير بالصلوات
وما طلعت شمس وحان غروبها ... و بالليل أبكيهم و بالغدوات
فيا عين بكّيهم و جودي بعبرةٍ ... فقد آن للتسكاب والهملات(۱۲)

فيذكر الشاعر فضائل أهل البيت ومناقبهم وخاصّةً لسيّدنا عليّ ؓ المرتضیٰ قائلا: الحُبّ لأهل البيت جُزءٌ من الإيمان و يذكرمصائب أهل البيت من الأعداء الّذين نقضوا عهدكتاب اللّه وغصبوا ارثهم وحكموا بينهم بدون تشاورٍ لوأطاعوا الوصيّ (سيّدنا عليّ ؓ المرتضى ) لفازوا في الدارين ويشير الشاعرفي هذه القصيدة مؤاخاة الرسول الكريم ﷺ لسيّدنا عليّ ؓ المرتضى في المدينة عندماآخى بين المهاجرين والأنصار وأيضًايشير الشاعرإرث الرسول الكريم ﷺ لسيّدنا عليّ ؓ المرتضى ثمّ يذكر ديار أهل البيت كيف صارت بعد رحيلهم ؟ وفيالأبيات الآخيرة يخاطب عينه إن اسكبي الدموع بالكثرة ۔

ومن أشهرالقصائدالّتي قيلت لرثاء سيدنا الحسين ؓ بن عليّ ؓ فی قصيدته المشهورة و مطلعها:

هلّا بكيت على (الحسينؓ) وأهله! هلّا بكيت لمن بكاه (محمّد)
فلقد بكته في السّماء ملائك زهرٌ كرامٌ راكعون و سُجّد
هذا (حسينؓ) بالسيوف مبضّع و ملطّخ بدمائه، مستشهد
عار بلا ثوب، صريعٌ في الثرىٰ بين، الحوافر و السنابك يخضد
والطيبون بنوك قتلى حوله فوق التراب صنو حيًا لاتلحد
والشمس والقمر المنير كلاهما حول النجوم تباكى، والفرقد
يا جدّ! إنّ الكلب يشرب آمنًا ريًّا، و نحن عن الفرات نطرّد
يا جدّ! إذا نحر (الحسينؓ) مضرّجٌ بالدم، و الجسم، الشريف مجرّد
يا خالقي أنت الرقيب عليهم في فعلهم ظلمًا، و إنّك تشهد
زُر خير قبرٍ بالعراق يزار و اغص الحمار فمن نهاك حمار
لم لا أزورك يا (حسين) لك الفدا قومي، و من عطفت عليه نزار
يا ابن شهيدٍ، و يا شهيدًا عمّه خير العمومة، (جعفر الطيار)
رأس بن بنت محمد و وصيه يا للرجال على قناة يرفع
و المسلمون بمنظر و بمسمع لاجازع من ذا و لا متخشع
أيقظت أجفانًا و كنت لها كرى وأنمت عينًا لم تكن بك تهجع
كحلت بمنظرك العيون عماية و أصمّ نعيك كلّ أُذُنٍ تسمع
ما روضة إلّا تمنّت أنّها لك مضجع و لحطّ قبرك موضع(۱۳)

## ديوان ديك الجن :(۱٦۱هـ......۲۳٥هـ)

هوأبومحمدعبد السّلام بن رغبان بن عبدالسّلام بن حبيب الكلبي، اشتهر بلقب ديك الجن وسبب لقبه بديك الجن ماذكره الأستاذخير الدين الزركلي قائلًا : سُمّي بديك الجن لأنّ عينيه كانتاخضراوين ؛ ولد ديك الجن في حمص سنة ۱٦۱ه/۷۷۸م فقضى معظم حياته في حمص، هو صاحب الشهرة بالأدب، فاق شعراء عصره، وله ميراث كبيرٌ لسيّدنا الحسينؓ بن عليؓ، وعاش بضعا وسبعين سنة، وتوفّي في أيّام المتوكل سنة خمس أو ستّ وثلاثين ومأتين ـ وقدرثّى صاحب ديك الجن لسيّدنا عليؓ المرتضى يبكيه، وهو مليىءٌ بالحزن والألم ويخاطب عينه أن اسكبي، و سحّي و

جودي بالدموع الكثيرة ، و يذكر فضائله ومناقبه في الأبيات التالية ، قائلًا :

يا عين لا للغضاء ولا لكثب ... بكاء الرزايا سوىٰ بكاء الطرب
وجودي وجدّي بملء جفنك ثمّ ... احتفلي بالدموع و انسكبي
كم شرقت منهم السيوف وكم ... رُوّيت الأرض من دم سرب
لا بدّ أن يحشر القتيل وأن ... يسأل ذو قتله عن السبب
فالويل والنار والثبور لمن ... قد أسلموه للجمر واللّهب
يا صفوة اللّه في خلائقه ... و أكرم الأعجمين والعرب
إنّا إلى اللّه راجعون على ... سهو اليالي و غفلة النّوب
غدا عليٌّ و رُبّ منقلب ... أشأم قد غير منقلب
فاغترّه السيف وهو خادمه ... متى يُهب في الوغى به يجب
يومٌ أصاب الضُّحىٰ بظلمته ... وقنّع الشمس من دجى الغهب
تمري عيونًا على أبي حسن ... محفوظة بالكلوم و النّدب
هو تغمر ربع الهموم أعينها ... بالدمع حُزنًا له لربعها
تئنّ و النفس تستديربها ... رحىً من الموت مرّة القطب(١٤)

وقال ديك الجن رثاءاً لآل البيت

دعوا ابن أبي ابن طالب للهُدىٰ ... و نحر العدى كيف ما يفعل
والّا فكونوا كما كان ... هدىً و لنار الوغى فاصطلوا
و من كعليّ فدى المصطفى ... بنفس، و نام فما يحفل
عيشة جاء ت قريشٌ له ... و قد هاجر المصطفىٰ المرسل
وطافوا علىٰ فُرشه ينظرون ... من يتقدّم اذ يقتلق
فلمّا بدع الصبح قام الوصي ... فأقبل كلّ له يعزل
ومن كعليّ اذا مادعوا ... نزال وقد قلّ من ينزل
تراه يقدّ جسوم الرجال ... فيندحر الأوّل الأوّل
وكم ضربة واصلت كفّه ... لفيصله فاحتوىٰ الفيصل
سطا يوم بدر بقرضابه ... و في أحدٍ لم يزل يحمل

ومن بأسه فُتحت خيبر و لم ينجها بابها المقفّل
دحا أربعين ذراعًا بها هزبر له دانت الأشبل(١٥)

وقال ديك الجن رثاءا لآل البيت

إنّ الرسول لم يزل يقول و الخير ما قال به الرسول
إنّك منّي ياعليّ الأبي بحيث من موساه هرون النبيّ
لكنّه ليس نبيٌّ بعدي فأنت خير العالمين عندي
وأنت منّي الزرّ من قميصي و ما لمن عاداك من محيص
وأنت لي أخ وأنت الصهر زوّجك الّذي إليه الأمر
ربّ العُلى بفاطم الزهراء ذات الهُدىٰ سيّدة النساء
فالحمد على ما قد حبا لخمسة الأشباح أصحاب العبا(١٦)

يخاطب الشاعر نفسه فيهذه الأبيات أن تبكي سيّدنا عليّ المرتضىٰ بالدموع الغزيرة ويذكر قتله وكيفيّة قتله ويذكر مصائبه ثمّ يذكر فضائله ومناقبه وفداه عمّه سيّد المرسلين ﷺليلة الجرةعلى فراشه وفتوحاته وقرابة بعمّه سيّد المرسلين ﷺ؛ويذكرخصائص سيّد المرسلين ﷺ و لابن عمّه عليّ قائلا: أنت منّي بمنزلة هارون لموسىٰ ، وأنت زُرّقميصي وأيضًا أنت أخي وصهري، وزوجتك ابنتي فاطمةُ الزهراء سيّدة النساء ـ

## رثاء السيّد الشريف الرضي (٣٥٩ھ......٤٠٦ھ)

أبوالحسن ، محمّد بن الحسين بن موسى ، ويلقّب بالشريف الرضي، وهو الرضي العلوي الحسيني الموسوي ، أمّه السيّدة فاطمة بنت الحسين بن أبي محمّدٍ الحسن الأطروش بن علي بن الحسن بن عمر بن علي بن أبي طالب ، والده أبو أحمد كان عظيم المنزلة في الدولتين العباسية والبويهة ، ولد بمدينة بغداد في سنة ٣٥٩ھ/٩٦٩م وتوفّي فيها سنة ٤٠٦ھ/١٠١٥م ؛ والشريف الرضي هو مفخرة من مفاخر الطاهرة ، وإمام من أئمّة العلم والحديث والأدب ، وبطلٌ من أبطال الدين والعلم والمذهب ، وشاعرٌ وفقيهٌ ، وهوأوّل في كلّ ما ورثه سلفه الطاهرمن علمٍ متدفقٍ ، ونفسياتٍ زاكيةٍ ، وأنظارٍ ثاقبةٍ ؛ ويعدالشريف الرضي من فحول الشعراء

وله شعرٌ كثيرٌ في الغزل العذري والاجتماعيات ، ومن أهمّ الأعمال الّتي اشتهر بها الشريف الرضي هو " نهج البلاغة " وكتب إمام عليّؓ لعمّاله في شتى أنحاء الأرض ۔

فرثي الشريف الرضى لسيّدناالحسينؓ قائلًا :

تأوّبني داءٌ من الهمّ لم يزل بقلبي حتى عادني منه عائدي
رمونا كما يرمى الظماء عن الرّوي يذوبنا عن إرث جدٍّ و والد
أضاعوا نفوسًا بالرماح ضياعها يعزّ على الباغين منّا النّواشد
أ اللّه ما تنفكّ في صفحاتها خموش لكلب من أميّة عاقد
لقد علقوها بالنبي خصومة إلى اللّه تغني عن يمينٍ وشاهد (١٧)

وقال الشريف الرضى رثاءاً على شهدا ء كربلاء :

كربلاء لا زلت كربا ولا ما لقي عندك آل المصطفى
كم على تربك لما صرعوا من دمٍ سال و من دمع جرىٰ
كم حصان الذيل يروي دمعها خدّها عند قتيل بالظما
تمسح الترب على إعجالها عن طلى نحرٍ رميل بالدماء
وضيوف لفلاةٍ قفرةٍ نزلوا فيها على غير قرى
لم يذوقوا المآء حتى اجتمعوا بحدي السيف على ورد الردي
تكسف الشمس شموسًا منهم لا تدانيها ضياء و علا !
و تنوش الوحش من أجسادهم أرجل السبق و أيمان الندى
و وجوها كالمصابيح فمن قمرٌ غاب و نجمٌ قد هوىٰ
يا رسول اللّه لو عاينتهم و هم ما بين قتلى و سبا
جزروا جزر الأضاحي نسله ثم ساقوا أهله سوق الاما
قتلوه بعد علم منهم إنّه خامس أصحاب الكسا
غسلوا بدم الطعن وما كفّنوه غير بوغاء الثرى (١٨)

وقال الشريف الرضى رثاء اعلى شهدا ء كربلاءِ فی مقام آخر:

كانت مآتم بالعراق تعدّها أمويةٌ بالشام من أعيادها
جعلت رسول اللّه من خصائصها فلبئس ما ادخرت ليوم معادها

نسل النبي على صعاب مطيها   ودم النبي على رؤس صعادها (١٩)

يقول الشاعر فيهذه الأبيات المذكورة،و قدكانت مآ تم لمحبّيه في العراق عند مااستشهد سيدناالحسينؓ وأعياد للأعداء في الشام وكان يوم استشهاده يومٌ شديدٌ على محبّيه وكانت هذه الحادثة في التاريخ الاسلامي كبيرةٌ الّتي أذهلت المسلمين في العالم الاسلامي ۔

## رثاء مهيار الديلمي : (٣٦٧ھ......٤٢٨ھ)

هوأبو الحسن ، مهيار بن مرزويه الديلمي ثمّ البغدادي ، ولد الديلميفي سنة ٣٦٧ھ ونشأالديلمي في عائلة فارسية ملكة من أشرف عائلات فارس ، ثم ّ سافرإلى بغداد وسكن فيها ، واتصل بالسيّد الرضي ، الّذي كان يوم ذاك حجّة الأدباء والأشراف فأثر هذا الاتصال بشخصية مهيار وشاعريته ، وكان مهيار مجوسيًا ، ولكن بعدارتباطه بالسيّد الرضي، تغيرت عقيدته من المجوسية الى مذهب أهل البيت وذلك في عام ٣٩٤ھ فهو مسلم في دينه ، علويٌ في مذهبه ، عربيٌ في أدبه ؛ وتوفّي الديلمي في الخامس من جمادي الثانية ٤٢٨ھ۔

فرثيمهيار الديلمي لسيّدنا حسينؓ ، قائلًا :

أرىٰ الدين من بعد يوم الحسين   عليلًا له الموت بالمرصد
و من ساء "أحمد" ياسبطه   فباء بقتلك ، ماذا يدي ؟
وليت سبقتُ فكنتُ الشهيد   أمامك يا صاحب المشهد
وقد فعل اللّه لكنّني   أرىٰ كبدي بعد لم تبرد
ولا زال شعري من نائح   ينقل فيكم إلى منشد (٢٠)

وقال مهيار الديلمي عن امام الحسين رثاءاً عليه:

و ليس صديقي غير الحزين   ليوم "الحسين" و غير الأسوف
هو الغصن كان كمينًا فهبّ   لدىٰ "كربلاء" بريح عصوف
أنشرك ما حمل الزائرون   أم لمسك خالط ترب الطُّفوف؟(٢١)

يذكرالشاعرفيهذه الأبيات المصائب الّتيلاحقته بقتيل الطفّ ، ثمّ يذكرمكانته في بني هاشمٍ ، ثم يذكر ضُعف الدين بعداستشهاده، ويتمنّى أن يكون شهيدًا قبل استشهاده

ثم يقول : كل صديقي حزينٌ و أ سفٌ بقتله ثمّ يرجو من كل صديقه أن يزور مشهده ۔

**الحسين بن علي الطغرائي : (ت:٥١٣ھ)**

هوأبواسمعيل مؤيد الدين حسين بن علي بن محمد بن عبد الصمدالأصبهاني المعروف الطغرائي، وكني بالطغرائي نسبة إلى كتابة الطغراء وهي الطرّة الّتي تكتب في أعلى المناشير فوق البسملة بالقلم الجلي؛ ولد في أصفهان لأسرةعربية الأصل من أحفادأبي الأسود الدؤلي ،و كان ينعت بالأستاذ ، وبرع في الكتابة والشعر و صار وزيرًا لسلطان مسعود بن محمد السلجوق (صاحب الموصل) هو أحد كبار العلماء في الكيمياء۔و له ديوان ، ومن قصائده المشهورة لامية العجم فيرثي أهل البيت فيها:

حبّ اليهود لآل موسى ظاهر و ولاءهم لبني أخيه باد
وإمامهم من نسل هارون الالي بهم اهتدوا و لكل قوم هاد
وأرىٰ النصارىٰ يكرمون محبة لنبي نجرًا من الأعواد
و إذا توالى آل أحمد مسلم قتلوه أو وسموه بالالحاد
هذا هو الداء العياء بمثله ضلت حلوم حوضر و بوادي
لم يحفظوا حق النبي محمد في آله واللّه بالمرصاد ۔ (٢٢)

هذه الأبيات معروفةٌ للشاعرأبواسمعيل مؤيد الدين حسين بن علي المعروف الطغرائي، (صاحب لامية العجم) فيذكر النوائب الّتي نزلت على أهل بيته في يوم عاشوراء سنة ٣٩١ ھ ثمّ قارن بين حبّ اليهود لآل موسى وحبّ المسلمين ( أهل الكوفة)لآل محمد ؛ إن اليهوديين اتبعوا واقتدوا آل موسى والكوفيون قتلوا آل نبيه محمدﷺ ولم يراعوا حقّ نبيّهم محمد في آله ۔

**رثاء محمد بن سعيد البوصيري : (٦٠٧ھ......٦٩٦ھ)**

وهومحمّد بن سعيد بن حماد بن محسن البوصيري ويكنّى بشرف الدين واشتهربالبوصيري ، ولد سنة ٦٠٧ھ أو٦٠٨ھ أو ٦١٠ھ ؛بدأحياته الدراسية بحفظ القرآن ، ثم جاء إلى القاهرةوالتحق بمسجدالشيخ عبد الظاهرحيث درس العلوم الدينية ، وشيئًامن علوم اللّغة كالنحووالصرف والعروض؛وامتاز البوصيري في مدائحه النبوية بقوّة الأسلوب،وحسن الصياغة وجودة المعاني وجمال التشبيهات وروعة

السور،وبحسن اختياره للألفاظ المناسبة والملائمة للمقام ، وصار البوصيري شهيرًا بقصيدته " البردة والهمزة " وقصيدته البردة(الكواكب الدرية في مدح خير البرية) وهي تعتبر أحسن مامدح به النبي ﷺ ؛ توفّي البوصيري بالأسكندرية سنة ٦٩٦هـ ـ

وقد رثى البوصيري لسيّدنا الحسينؓ في يوم عاشوراء سنة ٣٩١ للهجرة بعنوان القصيدة " والهفتاه لعصبة علوية " قائلًا :

هذي المنازل بالغميم فنادها ... و اسكب سخّي العين بعد جمادها
إن كان دينٌ للمعالم فاقضيه ... أو مهجةٌ عند الطّلول ففادها
ياهل تبُلُّ من الغليل اليهم ... اشرافةٌ للرّكب فوق نجادها
نؤيٌ كمنعطف الحنيّة دونه ... سحم الخدود لهنّ إرث رمادها
و الهفتاه لعصبةٍ علويةً ... تبعت أمية بعد عزّ قيادها
جعلت عران الذّلّ في آنافها ... وعلاط وسم الضيم في أجيادها(٢٣)

فرثى سيّدنا الحسينؓ ذكرا النوائب الّتي نزلت عليه في يوم عاشوراء سنة ٣٩١هـ ، ويخاطب بعينه أن اسكبي الدموع الغزيرة عليه ـ

ورثى امام البوصيرى فى مقام آخر:

و قست منهم قلوب على من ... بكت الأرض فقدهم والسماء
فابكهم ما استطعت انّ قليلًا ... في عظيم من المصاب البكاء
كلّ يوم و كلّ أرض لكربي ... منهم كربلا و عاشوراء
آل بيت النّبيّ إنّ فؤادي ... ليس يسليه عنكم التأساء
آل بيت النّبيّ طبتم فطاب ... مدح لي فيكم و طاب الرثاء
أنا حسّانُ مدحكم فاذا نحى ... تُ عليكم فانّني الخنساء
سددتم الناس بالتقى و سواكم ... سوّدته البيضاء والصفراء،(٢٤)

يقول الشاعر فيهذه الأبيات أنّه لايمكن له أن ينسى وقعة الطف قائلا:إنّ الرجال لم يراعوا ولم يحترموا ولم يؤقروا حرمة سيّدنا الحسينؓ بالقرابة والنسبة لرسول اللّه ﷺ ،فاظهروا حقدهم وبغضهم بظلمهم الشديد بدلًا من الحبّ والودّ ولكن قست قلوبهم بسبب شقاوتهم على من بكت الأرض عند مصرعه والسماء ، وإنّ المصائب والبلايا

الّتي أصيبت بها هذه الأسرة الكريمة فبكاء عليها قليلٌ فيقول : أن نبكي با لدموع الغزار ' ويقول : كلّ يوم يوم عاشوراء وكلّ أرض أرض كربلاء ويظهرحبّه لآل البيت قائلاً : إنّه كالحسانؓ في مدحهم وهو كالخنساءؓ في رثائهم ۔

## خلاصة القول :

فوجدت هذه المراثي العربية مليئة بالحزن والملال التى صبت على آل البيت ؛ و تعد هذه الاشعار الرثائية من أفضل الاشعار الرثائية كما وجدنا الاحاسيس المتنوّعة حسب مراتب قرابتهم ومكانتهم فيها۔وقد لاحظنا الاختلا ف فى كمية الحزن والتاثير حسب الإيمان والقرابة والمحبّة فى هذه الاشعار الرثائية۔ و قدرثى شعراء العصر العباسى لاهل البيت ذكراً بمناقب أهل البيت و فضائلهم ' و قد استخدم الشعراء الكلمات الرثائية المؤلمة فى قصائدهم.وفي التاريخ مصارع كثيرة وفجائع مثيرة يذهل الفكر أمامها ولكنّ فاجعة كربلاء فجيئةٌ عظيمةٌ ؛ قدأجمع المؤرّخون بأنّها من شدة الفجائع ولها اثر عميق في النفوس الانسانيّة ۔

فبعد تكميل هذه المقالة العلميةحول رثاء لاهل البيت ،فوصلت إلى بعض النتائج الهامّة'ومنها :

☆ قدنال الشعراء مقامًا رفيعاً في مجال الرثاء لأهل البيت ۔

☆ إنّ شعر الشعراء تعبيرٌ صادقٌ لمشاعرهم حول صعوبات والحزن التى صبت لأهل البيت ۔

☆ تقديم العواطف القلبية والمحبة الشديدة لأهل البيت فى هذه الاشعار الرثائية۔

☆ استخدام الاصناف البلاغة في الاشعار الرثائية ۔

☆ وجودالصّور'والأخيلة ' والمعاني والموسيقى الاشعار الرثائية ۔

☆ وجود الابتكارات التجديدة فيالاشعار الرثائية ۔

وقد نظموا أشعارًا حول رثاء أهل البيت للحياة الأخروية أي رجوعًا إلى اللّٰه ۔

☆☆☆☆

# فهرس المصادر والمراجع


(١) الدكتور جواد على :المفصل فى تاريخ العرب قبل الاسلام،دار الساقى،موقع مكتبة المدينة الرقمية،ط:٤،ج:٩،١٤٢٢ھ١٠٠٢م،ص:١٥٣

(٢) الأحزاب : ٣٣

(٣) ترمذي ، أبوعيسىٰ ، محمد بن عيسىٰ : جامع ترمذي، كراتشي : قرآن محل مقابل مولوي مسافرخانه : ج:٥ ، ص: ٦٣٣

(٤) الطبري ، أبوجعفر ، محمد بن جرير: جامع البيان عن تأويل آي القرآن بيروت : دارالفكر ، ١٤٠٥ھ:ج:١٢ ، ص:٦

(٥) النيسابوري ، الحاكم ، أبو عبداللّٰه ، محمد بن عبد اللّٰه : المستدرك علىٰ الصحيحين :ج:٣،ص:١٥١، وانظرالتبريزي ، الخطيب ، أبو عبداللّٰه ، محمد بن عبداللّٰه : مشكاة المصابيح: ص:٥٧٤

ترمذي ، أبو عيسىٰ ، محمد بن عيسىٰ : جامع ترمذي، كراتشي : قرآن محل مقابل مولوي مسافرخانه ، رقم الحديث:٣٨٧١

(٦) الشافعي، محمد بن إدريس: ديوان الشافعي، بيروت : دارالكتب العلمية ، ١٣٢٠ھ ، (مقدمة)۔

(٧) نفس المصدر،ص: ٤٨

(٨) الطبراني ، أبو القاسم ، سليمان بن أحمد : المعجم الكبير ، بيروت : دارالكتب العلمية ، بدون السنة ، ج:٣ ،ص: ١١٤

(٩) العسقلانى،احمد بن على بن:**الاصابة فى تميز الصحابة**،دراسة وتحقيق: الشيخ عادلاحمد عبد الموجود،بيروت،ج:١١،ص:١٣٢دار الكتب، ط:ص:١٣٢ ص:١٣٢۔ ذهبى: العبر فى خبر من غبر،موقع:الاوراق http://www.alwarraq.com، ج:١،ص :٨٤

(١٠) الخزاعي ، دعبل بن علي ، شعردعبل بن علي ، بيروت : دارالجيل ، ١٤١٨ھ/

۱۹۹۸م ، ص:٥٥_٥٦

(۱۱) الخزاعي، دعبل بن علي: شعر دعبل بن علي، ص: ۲۷۷، ۱٤٥،

(۱۲) المصدر السابق، ص: ۲۷٥

(۱۳) المصدر السابق، ص:۱٤٥

(۱٤) الحمصي، أبو محمد، عبد السلام بن رغبان: ديوان ديك الجن، بيروت : دارالجيل، ۱٤۱۸ھ/ ۱۹۹۸م، ص:٤۳

(۱٥) المصدر السابق، ص:٦۰

(۱٦) المصدر السابق، ص:۲٦

(۱۷) الرضي، محي الدين، عبد الحميد: ديوان الشريف الرضي، بيروت : مطبعة نخبة الأخبار ۱۹۷۱م، ص: ۳۳

(۱۸) =المصدر السابق، ص: ۲۸۱

(۱۹) =المصدر السابق، ص: ۲۸۲

(۲۰) الديلمي، أبوالحسن، مهياربن مرزويه : ديوان مهيارالديلمي، مصر : دارالكتب المصرية بالقاهرة۱۳٤٤ھ، ج :۱، ص:۳۰۰

(۲۱) المصدر السابق، ج :۲ص:۲٦۳

(۲۲) الطغرائي، أبواسمعيل، حسين بن علي: ديوان طغرائي، بيروت : دارالكتب العلمية، بدون السنة، ص: ۱۳۱

(۲۳) ا لبوصيري، محمد بن سعيد : ديوان البوصيري، مصر، دارالكتب المصرية بالقاهرة، الطبعة الثالثة، ۱۹۷۳م، ص : ۳٦۰

(۲٤) نفس المصدر، ص: ٦۹